مقدمہ باغِ فدک

وہی مجرم، وہی منصف

مصنف عبدالکریم مشتاق

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.
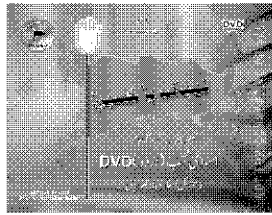
منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

مقدمۂ باغِ فدک

وہی مجرم، وہی منصف

مصنف

عبدالکریم مشتاق

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی ناشران و تاجران کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

نام کتاب ——— مقدمہ باغ فدک

المعروف ——— وہی مجرم، وہی منصف

مصنف ——— عبدالکریم مشتاق

کتابت ——— دارالکتابت مسافرخانہ

تعداد اشاعت ——— پانچ سو ۵۰۰

مطبع ——— المناظر پریس کراچی

قیمت ———

شائع کردہ

رحمت اللہ بک ایجنسی ناشران و تاجران کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

پڑھنے سے پہلے

کتاب ھٰذا "وہی مجرم وہی منصف" مقدمہ فدک کے موضوع پر تحریر کی گئی ہے۔ اس کے مباحثے عقیدت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اظہارِ حقیقت و رائے کے حق کو استعمال کرتے ہوئے قطعی غیر جانبداری سے ثبت کئے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کچھ قارئین کو یہ بے باکی پسند نہ آئے اور ہماری آراء ان کے عقائد کے خلاف ہوں لہٰذا ہم قبل از مطالعہ اطلاع عام کرتے ہیں کہ وہ لوگ جو اپنے بزرگوں پر نقد و جرح پسند نہیں کرتے اس کتاب کا مطالعہ نہ کریں۔ یہ تحریر خالصتاً غیر جانبدار و منصف مزاج قارئین کے لئے پیشِ خدمت ہے۔ متعصب افراد کے لئے نہیں۔

عرض گذار

مصنّف و ناشر

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

یہ کتاب خواہر مرحومہ محترمہ زہرا بانو زوجہ بشیر علی صاحب کے نام منسوب کی جاتی ہے۔ مومنہ موصوفہ کی یہ صفت خاص تھی کہ وہ سیدہ طاہرہ و مظلومہ وصدیقہ خاتون جنت سلام اللہ علیہا سے پرخلوص عقیدت رکھتی تھی اور ان کی وفات حسرت آیات کے روز ہی اس مومنہ نے داغ مفارقت دیا جب کہ گھر میں سیدۃ النساء العالمین کی صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔

اس خادمۂ سیدہؑ کے لئے سورۂ فاتحہ کی التماس کی جاتی ہے۔ شکریہ

اکبر ابن حسن

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ الطاہرین۔
اما بعدہ تحریر ہے کہ جس فراخدلی اور شوق سے قارئین کرام نے حقیر پُر تقصیر کی تالیفات و تصنیفات کو بفضلہ تعالیٰ وبطفیل محمد وآل محمد علیہم السلام شرف قبولیت بخشا ہے اس کا ہدیہ تشکر بجا لانا انتہائی بے مروتی ہوگا لہٰذا میں تمام افراد ملت حقہ کا دلی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض اولین سمجھتا ہوں۔ قوم کی ہمدردی اور ہمت افزائی ایک طرف مادی دنیا میں عزت افزائی ہے جو میرے لئے بہترین انعام ہے تو دوسری طرف زادِ راہ آخرت ہے جس سے بڑا نہ ہی کوئی انعام ہو سکتا ہے اور نہ ہی اکرام۔

اسلام دین فطرت ہے اور ہر مسلمان کو اس پر ناز ہے کہ یہی دین جملہ مادی و روحانی مسائل کا حقیقی حل پیش کرتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر اسلام میں سے اہلِ بیت اطہار کو نکال لیا جائے تو اسلام کا خزانہ بالکل بے متاع ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکمیل دین اور اتمام نعمت کے باوجود مسلمانوں کو کتاب خدا اور اہلِ بیت رسول خدا کے حوالے کر کے یہ ضمانت دی کہ ان دونوں سے تمسک رکھنا ہی تمام گمراہیوں کا علاج ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے حضرات انبیاء علیہم السلام کے حالات ظاہر ہوتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک نبیؑ اور رسولؑ کو ابتلائے عظیم سے گذرنا پڑا ہے۔ حالات و مصلحت ربانی کے تحت دیگر تمام نبیوں کو اپنے مراتب و اقدار کی نسبت سے مصائب و آلام کا سامنا تو کرنا پڑا ہے لیکن ہماری نظر میں ورق گردانی

کرتے کرتے تھک چکی ہیں اور ہم کسی بھی کتاب میں یہ تلاش نہیں کر سکے کہ کسی نبی کی امت اس نبی کی اولاد سے دشمنی رکھتی ہو۔ یہ امتیاز صرف امتِ مسلمہ ہی کے لئے ثابت ہے کہ مسلمان اپنے رسولؐ کی ذریت کے جانی دشمن ہو گئے۔

جیسی محمدؐ کی امت آلِ محمدؐ کی دشمن ہوئی اللہ کرے کسی دشمن سے بھی ایسی دشمنی نہ ہو۔ اس دعویدار اسلام امت نے رسولؐ اسلام کے خاندان کو ایک لمحہ بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ہمیشہ دنگہ و فساد بلکہ قتل و غارت سے پیش آئی۔ تمام گذشتہ انبیاء نے اپنا جانشین خود مقرر کیا اور ان کی امت نے اسے قبول کر لیا۔ ایسا کبھی نہ ہوا کہ رسولؑ کا ولی عہد امت رسولؑ نے چنا ہو اور اپنے رسولؑ کے مقرر کردہ وصی کو نظر انداز کر دیا ہو۔ اولاد و خاندانِ رسول تو بڑی چیز ہیں۔ بنی اسرائیل نے تابوت سکینہ کے تبرکات کو جان و دل سے عزیز رکھا۔ عصا، عمامہ اور جوتوں کو متبرک جان کر ہر مشکل میں ان سے فائدہ اٹھایا۔ عیسائی اپنے نبیؑ کے گدھے کا نعل اور اس کے بال لائق احترام و متبرک سمجھتے تھے۔ الغرض دیگر امتوں نے اپنے انبیاءؑ کے چھوڑے ہوئے ساز و سامان کو شعائر اللہ کا درجہ دے کر تعظیم کی مگر افسوس کہ امتِ محمدؐ نے اپنے رسولؐ کی عداوت کو اپنا وطیرہ بنایا۔ آلِ محمدؐ کو ستانا سنت قرار دیا۔ اسلام کی تاریخ کا جب یہ پہلو ایک آزاد ذہن طالبعلم بنظرِ غور دیکھتا ہے تو اسے پوری "تاریخ مذہبیہ" پر یہ ایک ایسا بدنما داغ نظر آتا ہے جس کو صاف کرنا عام بشر کی استطاعت سے باہر ہے۔ سادات عظام پر جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹے ان کو تو جانے دیجئے تعجب یہ ہے کہ حیاتِ رسولؐ ہی میں امت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس کی آنکھوں میں کینہ رسولؐ بہت بڑا شہتیر تھا۔ نفسِ رسولؐ امام الاولیاء امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام بضعۃ الرسول سیدۃ النساء العالمین اور صدیقۃ الکبریٰ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی امت کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ مگر ان مظالم نے اس حد تک اجر اُخروی میں ضرور مدد کی

کہ اصلی ہادیوں کی شناخت ہو گئی اور نقلی امام علیحدہ علیحدہ معلوم ہونے لگے۔

جب ہم مسلمانوں کی سنہری تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کرتے ہیں تو جہاں ہمیں بڑی بڑی فتوحات ارضی اور مال و زر کی فراوانی نظر آتی ہے جسے لوگوں کے سامنے ہم مایہ ناز کارناموں کے ضمن میں پیش کرتے ہیں وہاں ہمیں غصب و استبداد کی لامتناہی کڑیوں کا سلسلہ بھی نظر آتا ہے جن کا بیان غیروں کے سامنے ہماری نگاہوں کو نیچے کر دیتا ہے اور جب گریبان میں جھانکتے ہیں تو اقتدار کا چڑھا چڑھایا نشہ فوراً کافور ہو جاتا ہے اور سفاک سلاطین و جابر حکمرانوں مثلاً چنگیز و ہلاکو وغیرہ اور اپنے بادشاہوں میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ لاکھ تاویلیں کریں مگر اس تھالی میں جس میں کھایا اس میں بنایا ہوا سوراخ کسی طرح بھی پُر نہ ہو سکا اور مسلمانوں کی زبان بند کرنے کے لئے غیر مسلموں کا ایک ہی کارآمد ہتھیار کافی ہوا کہ اس امت نے جس طرح اپنے رسولؐ کے کنبہ کو اجر رسالت ادا کیا۔ اس کی مثال کسی دوسری قوم میں ملنا امر محال ہے۔

اہلِ بیتؑ رسالت میں سب سے پہلے رسولؐ صادق و امین کی دختر شہیدہ ظلم صدیقہؑ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا امت کے ظلم و ستم کا نشانہ بنیں اور اپنے امتحان صبر و رضا میں کامیاب ہو کر بارگاہِ الٰہی میں اپنے اوپر کئے جانے والے مظالم کی شکایت کرنے پہنچیں۔

اہلِ بیت نبوی کے ہر فرد معظم نے اپنے اپنے وقت پر ہر طرح سے دین حقہ کی نصرت فرمائی اور اُن کی تمام زندگی تبلیغ حق میں صرف ہوئی۔ ان کا شعار ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر منحصر ہے۔ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا چونکہ مخدرہ ہیں لہٰذا جو طریقہ جہاد ان کے لئے موزوں تھا اور جو طریقہ تبلیغ ان کی شان کے لائق تھا اس کو آپؑ نے اس احسن طریقے سے پورا کیا کہ دلیل عصمت و طہارت بن گیا۔ آپؑ کا حسن اپنے شوہر نامدار اور فرزندان راشدان سے کسی طرح بھی غیر اہم نہ تھا۔ سیدہ کا کام اپنی نوعیت کے اعتبار

سے ایسا ہی تھا جس طرح واقعۂ قرطاس میں حبیبؐ خدا کا طلب سامان کتابت تھا۔ جس طرح قلم و دوات کا مطالبہ ایک باغی گروہ کے لئے جو اس باختگی کا موجب ٹھہرا تھا اور بے ساختہ "ان الرجل یھجر" کہہ کر اپنے من کا بھید اگل دیا تھا اسی طرح جناب فاطمہؑ نے براہ راست دعویٰ کر کے مخالف فریق کے اصل مدعا و مقصد کو ایسا بے نقاب کیا ہے کہ پھر آج تک اسے ڈھانپا نہیں جا سکا ہے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے خود دربار حکومت میں اپنا دعویٰ و مطالبہ اصالتاً پیش کر کے بحث کے تمام پہلوؤں کو غیر متعلق بنا کر رکھ دیا۔

سیدہؑ نے فرمایا کہ میں یہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ رسولؐ خدا نے فدک مجھے ہبہ کر دیا تھا۔ اور یوں بھی وراثت میں مجھ کو ہی پہنچتا ہے۔ میں اپنے اس دعویٰ کی تصدیق کیلئے اُن گواہوں کو پیش کرتی ہوں جن کی شہادت رسالت کی تصدیق کیلئے خداوند تعالیٰ نے کفار کے سامنے پیش کی تھی۔ اب سوچ کر جواب دو کہ تم مجھے اور میرے گواہوں کو جھوٹا قرار دیتے ہو یا تمہارے اپنے قدم راہ حق سے ہٹے ہوئے ہیں دربار سے فیصلہ ہوتا ہے کہ جنت کی تمام عورتوں کی سردار صدیقۃ الکبریٰ جھوٹی ہیں اور وہ گواہ جو رسولؐ مباہلہ میں اپنی تصدیق کے لئے میدان میں لایا جن پر عیسائیوں نے اعتبار کر لیا وہ بھی بے اعتبار ہیں۔

یہی وہ اقرار تھا جو سیدہ کو مقصود تھا۔ لہٰذا آپ واپس تشریف لے آتی ہیں۔ اس کتاب میں ہم نے دیکھتی آنکھوں، سنتے کانوں اور روشن ضمیروں کو دعوت غور دی ہے کہ وہ یہ واقعہ غور سے پڑھیں اور خود بخود نتائج اخذ کرتے چلے جائیں۔ ہر منصف مزاج یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گا کہ بی بیؑ پاک نے جو یہ طریقہ تبلیغ اختیار کیا اس سے شائستہ و موثر اور کوئی طریقہ نہ تھا کہ کچھ ہی دن پہلے حسبنا کتاب اللہ کہنے والے مسلمان اپنے ہی وضع کردہ عقیدے سے منحرف ہو گئے اور اپنے اختیار کردہ مذہب کے سارے دار و مدار کو

اپنی زبان و عمل سے خود ہی برباد کر دیا۔ گو اس مقدمہ میں مشکل سے چند ہی ساعتیں لگی ہوں گی لیکن یہ آزمائش کی گھڑیاں فیصلہ کن ثابت ہوئیں اور معلوم ہو گیا کہ حق کدھر ہے۔

حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ فدک اور ارباب حکومت کا انکاری فیصلہ تاریخی مسلمات میں ہے اور بعض حالات میں لوگوں نے اس واقعہ کو حدیث میں جگہ دی ہے۔ لہٰذا تمام معتبر کتب احادیث و تاریخ میں اس مقدمہ کے حالات مندرج ہیں۔ اب ہر قاری و صاحب فہم طالب علم کو یہ فطری حق حاصل ہے کہ وہ اس مقدمہ کی روداد پر غور و فکر اور درباری فیصلہ کی جانچ پڑتال کر کے اپنی رائے قائم کرے کہ دعویٰ غلط تھا یا فیصلہ غیر منصفانہ تھا اگر دعویٰ غلط تھا تو دختر نبیؐ جگر گوشۂ رسولؐ سیدہ طاہرہ صلوٰۃ اللہ علیہا نے کیوں جھوٹا دعویٰ کیا اور صدیق اکبر امیر المومنین علی ابن طالبؑ، ریحانتین رسولؐ حسنین مکرمین علیہما السلام نے کیوں جھوٹی گواہی دی؟ اور اگر فیصلہ غلط کیا گیا تو دربار خلافت کا اقتدار کیا ہوا؟؟

یہی مباحث اس کتاب میں غیر جانبداری اور آزاد ذہنی سے دہرائے گئے ہیں اور اس مقدمہ کے فیصلے پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے۔ چونکہ اس مقدمہ کا فیصلہ اُن ہی لوگوں نے کیا جن کو مدعیہ نے فریق قرار دیا تھا لہٰذا یہ اپنی نوعیت کا تاریخ اسلام میں امتیازی فیصلہ ہے۔ اس بحث میں بدقسمتی سے منصف وہ حضرات ہیں جو اسلام کے آسمان پر مہر و ماہ سمجھے جاتے ہیں اور ان پر تنقید کرنا پسند نہیں کیا جاتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس بات کا اظہار کر دیا جائے کہ اس کتاب میں انتہائی رواداری و شائستگی کے ساتھ حضرات شیخین پر تنقیدی قلمکاری کی گئی ہے۔ اس لئے وہ افراد ملت جو ان بزرگان پر نکتہ چینی پسند نہیں کرتے ہیں وہ اس کتاب کو پڑھنے کی زحمت نہ کریں۔

البتہ فراخدل، اہل انصاف اور مصفیٰ ذہن قارئین کے لئے یہ چند صفحات ذہنی جلا اور دماغی ذکاوت الافہام کے ساتھ ساتھ اندھی عقیدت کے زنگ کی آلودگی کو صاف کرنے کیلئے کافی ہونگے۔

خیر اندیش : عبدالکریم مشتاق

دعویٰ فدک

عام اصولِ عدل وانصاف کے مطابق مقدمہ فدک اس طرح ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے دعویٰ کیا کہ اُن کے پدر بزرگوار حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک اُن کو ہبہ کردیا تھا اور خمس خیبر وا قطاع حوالی مدینہ میں آپ کا حصہ بطور وارث ہے کہ وہ ترکہ رسولؐ کی حقدار ہیں۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں اس طرح مرقوم ہے۔

عبدالعزیز بن عبداللہ، ابراہیم بن سعد، صالح، ابن شہاب سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے سوال کیا کہ وہ (ابوبکر) اُن کی (فاطمہ کی) میراث کا حصہ اس ترکہ رسولؐ میں سے دے دیں جو خداوند تعالیٰ نے جناب رسولؐ خدا کو دیا تھا۔ تو حضرت ابوبکر نے حدیث بیان کی کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ہم پیغمبر لوگ میراث نہیں چھوڑتے ہمارا ترکہ صدقہ ہے اس پر جناب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر پر بہت غضبناک ہوئیں اور اس کے بعد حضرت ابوبکر سے کلام کرنا ترک کر دیا۔ اور ان سے کبھی کلام نہ کیا یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ چھ ماہ تک زندہ رہیں حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جناب فاطمہ نے ابوبکر سے آنحضرتؐ کا ورثہ خیبر و حوالی مدینہ مانگا تھا مگر ابوبکر نے دینے سے انکار کیا۔ اور وہ کہتی ہیں کہ ابوبکر نے کہا تھا کہ میں نہیں چھوڑنے والا اس چیز کا جس کے ساتھ جناب رسولؐ خدا عمل کرتے تھے مگر یہ کہ میں بھی اس کے ساتھ وہی عمل کروں گا۔ پس تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ اگر کسی چیز کو جناب رسولؐ اللہ کے امور میں سے چھوڑ دوں تو حق سے باطل کی طرف جاؤں مگر اس کے بعد عمر نے مدینہ

کا ورثہ علی و عباس کو دے دیا۔ مگر خیبر و فدک اسی طرح اپنے پاس رکھا اور کہا کہ یہ رسول اللہ کا صدقہ ہیں۔ یہ دونوں حضور کے پاس ان حوادثات کے لئے تھے جو ان کو پیش آتے تھے اور یہ حق ہے اس کا جو حاکم ہو راوی نے کہا کہ وہ اُن کے زمانہ تک اسی طرح ہے۔"

صحیح بخاری میں اس واقعہ کو کئی جگہوں پر نقل کیا گیا ہے (۱) کتاب الخمس باب فرض الخمس (۲) کتاب فضائل اصحاب النبی بذیل ذکر العباس بن عبد المطلب۔ (۳) کتاب المغازی باب غزوہ خیبر۔ (۴) کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر۔ (۵) کتاب الفرائض باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانورث ما ترکنا صدقہ (۶) کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم۔

بخاری شریف میں ایک جگہ اس واقعہ کے بیان کے بعد یوں مرقوم ہے کہ "حضرت ابوبکر کے انکار کرنے پر جناب فاطمہ حضرت ابوبکر پر سخت ناراض ہوئیں اور ان سے کلام کرنا بند کر دیا جب تک آپ زندہ رہیں ان سے نہ بولیں اور حضور کی وفات کے بعد چھ ماہ بعد تک آپ زندہ رہیں۔ جب آپ نے وفات پائی تو ان کے شوہر حضرت علی نے ان کو رات کو دفن کیا اور حضرت ابوبکر کو جنازہ پر آنے کی اجازت نہ دی۔ حضرت علی نے خود نماز پڑھی۔ حیات فاطمہ تک لوگ حضرت علی کا لحاظ کرتے تھے مگر جب انہوں نے وفات پائی تو لوگ حضرت علی سے منحرف ہو گئے اس وجہ سے حضرت علی نے ابوبکر سے مصالحت و بیعت کر لی لیکن ان چھ مہینوں تک بیعت نہیں کی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر)

بالکل اسی طرح صحیح مسلم میں بھی یہ واقعہ درج ہے دیکھئے کتاب الجہاد والسیر۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ۔

چونکہ یہ واقعہ صحیحین میں ہے لہٰذا محدثین کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ اب بخاری و مسلم جیسی معروف کتب کے بعد کتب سیر کی مایہ ناز کتاب "طبقات الکبریٰ"

میں اس واقعہ کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

"حضرت ابوبکر نے جناب رسول خدا کے ترکہ میں سے حضرت فاطمہ کو کچھ بھی نہ دیا اور انکار کر دیا۔ اس وجہ سے جناب فاطمہ حضرت ابوبکر پر بہت غضب ناک ہوئیں اور اُن سے میل جول ترک کر دیا۔ اور تادم وفات ابوبکر سے کلام نہ کیا۔ جناب فاطمہ رسول اکرم کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ جعفر سے مروی ہے کہ جناب فاطمہ نے حضرت ابوبکر کے پاس آکر اپنی میراث ترکہ رسول سے طلب کی اور عباس نے آکر اپنی میراث طلب کی۔ حضرت علی ان دونوں کے ہمراہ آئے۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ جناب پیغمبر نے فرمایا کہ ہم انبیاء کی میراث نہیں ہوتی جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور جو رسول اللہ کرتے تھے وہی میرے اوپر فرض ہے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ قرآن شریف میں ہے کہ داؤد کا ترکہ سلیمان نے لیا اور زکریا نے دعا مانگی کہ مجھے لڑکا اور وارث دے تاکہ وہ میرا اور آل یعقوب کا ورثہ لے۔ ابوبکر نے جواب دیا یہ اسی طرح ہے جس طرح تم کہتے ہو۔ لیکن تم جانتے ہو جو میں جانتا ہوں۔ حضرت علی نے کہا یہ تو کتاب خدا ہے جو ہمارے حق میں بول رہی ہے لیکن ابوبکر نے انکار کیا اور دونوں خاموش ہو کر چلے گئے۔" (طبقات ابن سعد جلد دوم ص ۸۶)

امام طبری نے اپنی تاریخ میں بھی یہ واقعہ تفصیلاً درج کیا ہے ملاحظہ کریں تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث ص ۲۰۲۔ علامہ بلاذری نے اس معاملہ پر مزید روشنی ڈالی ہے۔

"عبداللہ بن میمون المکتب، فضیل بن عیاض، مالک بن جعونہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ نے ابوبکر سے فرمایا کہ حضور نے فدک مجھے ہبہ کر دیا تھا پس وہ مجھے واپس کرو۔ اور ان کے دعویٰ کی تصدیق میں حضرت علی نے شہادت دی۔ ابوبکر نے دوسرا گواہ طلب کیا۔ تو اُم ایمن نے حضرت فاطمہ کے دعوے کی تصدیق میں شہادت دی اس پر حضرت ابوبکر نے کہا اے دختر رسول! آپ جانتی ہیں کہ

نہیں شہادت قبول کی جاتی لیکن دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ واپس ہوئیں مجھ سے بیان کیا روح الکرابیسی نے راویوں کے سلسلہ سے حضرت جعفر بن محمد سے فرمایا انہوں نے کہ جناب فاطمہ نے ابوبکر سے کہا کہ مجھے فدک واپس کردو کیونکہ حضور نے مجھے ہبہ کردیا تھا ابوبکر نے ان سے شہادت طلب کی۔ پس آپ نے ام ایمن اور رباح غلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت میں پیش کیا۔ اور ان دونوں نے حضرت فاطمہ کے دعویٰ کی تصدیق میں شہادت دی۔ اس پر ابوبکر نے کہا کہ یہ شہادت تو اس وقت جائز ہوگی کہ جب ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں۔

بیان کیا ابن عائشہ التیمی نے انہوں نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے محمد بن سائب کلبی سے انہوں نے ابوصالح سے انہوں نے ام ہانی سے کہ مروی ہے کہ جناب فاطمہ بنت رسول اللہ حضرت ابوبکر کے دربار میں تشریف لائیں اور فرمایا کہ جب تم مروگے تو تمہارا ورثہ کون لے گا۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ میرے اہل و اولاد لیں گے۔ اس پر حضرت فاطمہ نے کہا تمہارا کیا حال ہے کہ تم نے رسول اللہ کا ورثہ ہتھیا لیا اور ہم کو نہ دیا۔ ابوبکر نے جواب دیا۔ میں نے تمہارے باپ سے سونا چاندی تو ورثہ میں نہیں لیا۔ اور نہ یہ لیا اور نہ وہ لیا۔ حضرت فاطمہ نے کہا خیبر میں ہمارا حصہ دو اور فدک ہماری ہبہ شدہ ملکیت ہے۔ ابوبکر نے کہا اے بنت رسول میں نے رسول خدا کو کہتے سنا تھا کہ فدک ایک طعمہ ہے جس سے اللہ زندگی میں مجھے رزق دیتا ہے پس جب میں مروں گا تو وہ مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔

(فتوح البلدان علامہ ابوالحسن بلاذری مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴-۴۵)

یہ واقعہ اس قدر شہرت پایا ہوا ہے کہ ہر معتبر کتاب میں اسے درج کیا گیا ہے لہٰذا ہم قارئین کی سہولت کے لئے کچھ حوالہ جات جمع کرکے پیش خدمت کرتے ہیں تاکہ بوقت تحقیق کام آسکے۔

مذہب اہل سنتہ کی قرآن کے بعد سب سے معتبر کتاب صحیح بخاری شریف کے حوالہ جات ہم نے اوپر نقل کر دئے ہیں اسی طرح بخاری شریف کے بعد مسلم شریف کا درجہ ہے اور اس کا حوالہ بھی مندرجہ صدر ہے۔ مزید ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) سنن ترمذی کتاب ۱۹ باب ۴۴

(۲) سنن ابو داؤد کتاب ۱۹ باب ۱۸

(۳) کنز العمال ملا علی متقی جزء ۳ حرف الخاء کتاب الخلافت باب اول ص ۱۲۵ حدیث ۲۲۲۹، ص ۱۲۹ حدیث ۲۲۵۸، ۲۲۵۹، ۲۲۶۰، ص ۱۳۳ حدیث ۲۲۸۷، ص ۱۳۴ حدیث ۲۲۱، ص ۱۲۵، حدیث ص ۲۲۹۷ ص ۱۳۶ حدیث ۲۳۰۹ جزء ۴ ص ۵۲ حدیث ۱۰۸۶

(۴) مسند احمد حنبل امام احمد حنبل الجزء الاول ص ۴، ص ۶، ص ۹، ص ۱۰، ص ۱۳۔

(۵) صواعق محرقہ امام ابن حجر مکی باب اول فصل ۵ ص ۲۲

(۶) وفاء الوفا الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی ص ۱۵۷ تا ص ۱۶۰ علامہ سمہودی۔

(۷) ریاض النضرہ محب الدین طبری الجزء الاول القسم الثانی الفصل الثانی عشر ذکر اقتفاءہ آثار النبوۃ واتباعہ اما ہا ص ۱۳ اور باب ۵ قسم الاول ص ۳

(۸) تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی در تفسیر آیہ و ما افاء اللہ رسولہ منہم.....

(۹) سیرۃ الحلبیہ جزء ۳ ص ۵۹ اور ص ۳۹۹

(۱۰) روضۃ الاحباب محدث شیرازی جلد ۱ ص ۲۳۴

اس واقعہ کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے دعویٰ کیا کہ جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کو فدک ہبہ کر دیا ہے اور خمس خیبر و حوالی مدینہ کی زمینوں میں ان کا حصہ بطور وارث ہے اور ترکہ رسول ص کی حقیقی

حقدار ہیں۔

مدعا علیہ کا موقف

مدعا علیہ نے ہبہ کے متعلق حضرت سیدہؑ سے کہا کہ ہم تمہارے بیان کو نا قابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ گواہ پیش کرو۔ وراثت سے انکار نہیں کر سکتے تھے لہذا رسولؐ کی طرف منسوب کر دیا کہ نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہے نبی کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

ثبوت دعویٰ

سیدۃ النساء العالمین نے اپنے دعویٰ ہبہ کے ثبوت میں حضرت علیؑ، ام ایمن، رباح اور اپنی اولاد صادق کو بطور گواہ سامنے کیا جنہوں نے بیان دیا کہ ان کے سامنے جناب رسالتمآبؐ نے ان اراضیات کو بحق فاطمہؑ ہبہ کر کے قبضہ ان کو دیا۔

قبضہ فدک

جب سیدہ طاہرہ صلواۃ اللہ علیہا نے دعویٰ ہبہ کیا تو بنت رسولؐ یقیناً اس بات سے پوری طرح واقف تھیں کہ قبضہ کے بغیر ہبہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ لہذا سیدہؑ طاہرہ کا دعویٰ ہبہ از خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اراضی آپ کی زیر قبضہ تھی۔ اگر ان کو قبضہ مل کر ہبہ مکمل نہ ہو گیا ہوتا تو صدیقۃ الکبریٰ کبھی ایسا سقم دعویٰ نہ فرماتیں۔ نیز یہ اگر حضرت فاطمہؑ کا قبضہ نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر ہرگز گواہ طلب نہ کرتے اسی وقت کہہ دیتے کہ ہبہ نامکمل ہے۔ مدعا علیہ کے عذرات میں قبضہ نہ ہونے کے عذر کا فقدان اس بات کی مستحکم دلیل ہے کہ جناب سیدہؑ موہوبہ زمین پر قابض و متصرف تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر روایات میں اس طرح مرقوم ہے کہ:

"ان ابابکر انتزع من فاطمہ فدک" یعنی ابوبکر نے حضرت فاطمہ سے فدک کا قبضہ چھین لیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

وفا الوفا باخبار دار المصطفےٰ جلد ۲ باب ۶ صفحہ ۱۶۱ علامہ سمہودی

اسی پر حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے عامل کو ایک خط لکھا جس میں یہ الفاظ مرقوم ہیں کہ:

"بلی کانت فی ایدینا فدک من کل ما اظلته السماء فشحت علیها نفوس قوم وسخت عنها نفوس آخرین نعم الحکم اللہ۔
(نہج البلاغۃ الجز الثانی ص ۹۳ مطبوعہ مصر)

یعنی ہاں فدک ہمارے قبضہ خاص میں تھا۔ ہمارے سوائے آسمان کے نیچے جو بھی ہے اس کا فدک سے کچھ تعلق نہ تھا۔ پس قوم کے چند لوگوں نے اس کی بابت بخل کیا اور بہتوں کے دل میں آگ لگی اور ہم سے چھین لیا۔ مگر سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا اللہ ہی ہے۔

قبضہ کا عذر تو ترا شنا ہی بیکار ہوگا کیونکہ یہ تنازعہ تو خود حضرت عمر بن خطاب اپنے قول سے طے کر چکے ہیں۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ:

"ثم توفی اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ فقبضھا ابوبکر" (صحیح بخاری باب الخمس وباب المغازی قول عمر بحوالہ الفاروق حصہ دوم ص ۲۷۵)

یعنی پھر اللہ نے اپنے نبیؐ کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ پس ابوبکر نے کہا کہ میں رسول اللہ کا ولی ہوں۔ اس بنا پر انہوں نے فدک پر قبضہ کر لیا۔

رسولؐ کو فدک کیسے حاصل ہوا؟

اللہ نے یہ قانون بنایا ہے کہ جو زمین یا مال مسلمانوں کی مشترکہ جد و جہد سے حاصل ہو اس میں مسلمانوں کا حصہ ہے لیکن جو جائیداد یا مال خدا اپنے رسولؐ کو مسلمانوں کی امداد کے بغیر عطا کر دے ان میں مسلمانوں کا حصہ نہیں بلکہ خالص

رسول اللہؐ کی ملکیت ہوگا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ جو مال اللہ نے اپنے رسول کو لڑائی کے بغیر عطا کیا ہے اس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر شے پر قادر ہے (سورہ حشر)

چنانچہ فدک کے بیان میں ہے کہ خیبر سے واپسی پر حضورؐ نے محیصہ بن مسعود انصاری کو اہل فدک کے پاس دعوت اسلام دینے کے لئے ارسال فرمایا۔ پس انہوں نے رسولؐ کو آدھی زمین دے کر مصالحت کرلی اور آنحضرتؐ نے اسے منظور فرمالیا۔ کیونکہ اس زمین کے حصول کی خاطر مسلمانوں نے اپنے اونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے تھے لہٰذا یہ جائیداد خاص ملکیت رسولؐ تھی۔ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ فتوح البلدان علامہ بلاذری ص۲۴

۲۔ تاریخ الخمیس علامہ دیار بکری جلد ۲ ص۶۴

۳۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص۸۵

۴۔ روض الانف علامہ سہیلی ج ۲ ص۲۴۷

۵۔ سیرۃ النبی ابن ہشام ج ۳ ص۴۸

فدک کا جناب رسول خداؐ کی ملکیت خاص بلا شرکت غیرے ہونا صحیح بخاری میں حضرت عمر کے قول سے بھی ثابت ہے۔ جیسا مولوی شبلی نقل کرتے ہیں۔

"اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہے۔ اور خود حضرت عمر اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے۔ آیتہ یہ ہے۔ وما افاء اللہ علی رسولہ ...... من یشاء۔ چنانچہ حضرت عمر نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا۔ "فکانت خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بتفصیل مذکور ہے۔ (الفاروق حصہ دوم ص۲۵۶)

حضرت ابوبکر بھی اِن زمینوں کو رسولؐ اکرم کی خاص ملکیت سمجھتے تھے جب ہی تو حدیث لانورث جیسی لاوارث حدیث سنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

فیصلہ طلب امور

عام قانون کے مطابق اس طرح کے مقدمات اور ایسی نوعیت کے تنازعات میں سب سے پہلے یہ بات قابل غور ہوتی ہے کہ متنازعہ امور کون کون سے ہیں اور کس کس بات کا فیصلہ درکار ہے۔ ثبوت مہیا کرنا کس فریق کے ذمے ہے اور پیش کردہ ثبوت کا اقتدار کیا ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ ثبوت مہیا کرنا اس کی ذمہ داری ہوتا ہے جس کا دعویٰ یا عذر ثبوت چاہتا ہو۔ اگر وہ ثبوت پیش نہ کر سکے تو اس کا دعویٰ یا عذر باطل قرار پائے گا۔ یہ تنازعہ جس کا دعویٰ بی بی پاکؑ نے کیا ہے اسلامی قانون کی ماخذ کتاب قرآن مجید سے اُن کے حق میں ثابت ہوتا ہے کیونکہ قرآنی احکام جناب سیدہؑ کے حق میں ہیں اس لئے کہ از روئے قرآن حکیم قانون وراثت میں جائداد رسولؐ کے متعلق کوئی استثناء موجود نہیں ہے لہٰذا مقدمہ وراثت کے ذیل میں مندرجہ ذیل باتیں تنقیح طلب ہیں جن کا ثبوت مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔

۱۔ مدعا علیہ یعنی حضرت ابوبکر پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ثابت کریں کہ حضرت فاطمہؑ جو اس دعویٰ کی مدعیہ ہیں کو اپنے والد بزرگوار کا ورثہ نہیں پہنچتا اور شرعی دقرآنی قانون وراثت سے اپنے عذر کو مطابق کریں۔

۲۔ اگر قرآن مجید کا قانون وراثت حضرت فاطمہؑ کے لئے منسوخ ہوا تو کیوں اور یہ نسخ کس نے کیا؟

۳۔ پیش کردہ روایت "کہ نبیوں کا وارث کوئی نہیں" کو کس ثبوت سے کلام رسولؐ تسلیم کیا جائے؟

۴۔ کیا صاحب قرآن رسولؐ نے اس اہم تنسیخ حکم قرآن کا اعلان فرمایا۔ اگر فرمایا تو کب، کہاں، کس موقعہ پر اور کن کے سامنے۔

۵۔ کیا ایک صحابی کی بیان کردہ روایت قرآن شریف کے مقرر کردہ قانون کو منسوخ کر سکتی ہے۔ اگر کر سکتی ہے تو کیوں اس کی مثال پیش کی جائے۔

مندرجہ بالا چند امور کا تعلق دعویٰ وراثت سے جس کا بارِ ثبوت مدعا علیہ حضرت ابوبکر کے کاندھوں پر ہے۔ اب مقدمہ ہبہ میں بھی تنقیح کا بارِ ثبوت بذمہ حضرت ابوبکر ہی ہے کیونکہ آپ نے اپنی حکومت کی طاقت سے حضرت فاطمہؑ کو ان کی موہوبہ جائیداد سے بے دخل کر دیا۔ اس صورت میں حکومت اگر قبضہ کا دعویٰ کرے تو تنقیح یہ ہو سکتی ہے کہ

دخترِ رسولؐ کا قبضہ ناجائز ہے۔ رسولؐ خدا نے ان کو فدک ہبہ کر کے نہیں دیا۔ لیکن اب جونکہ دعویٰ بی بی پاک کی طرف سے کیا گیا تو اس صورت میں یہ بات فیصلہ طلب ہوگی کہ بی بیؑ پاک ثابت کریں کہ ان کے والد بزرگوار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جائداد آپ کے حق میں ہبہ فرمائی۔ حالانکہ عام مقدمات میں تو اب بھی بارِ ثبوت بذمہ مدعا علیہ ہونا چاہیے کیونکہ محض مقدمہ کی خاطر ناجائز طور پر مدعیہ کو بے دخل کر کے انہیں دعویٰ کرنے پر مجبور کرنے سے بارِ ثبوت نہیں بدلتا ہے۔ اس معاملہ میں زیادہ سے زیادہ حضرت فاطمہؑ کو ثبوت ہبہ دینا تھا۔ باقی سب تنقیحات بذمہ حضرت ابوبکر تھیں۔

ثبوت ہبہ

ہم نے اوپر نقل کر دیا ہے کہ حضرت علیؑ، ام ایمن، رباح، حسنین اور خود سیدہ طاہرہ نے بیان کیا کہ فدک رسولؐ خدا نے اپنی دختر کے حق میں ہبہ کر دیا تھا تاہم مزید ثبوت یہ ہے کہ

البزار، ابو یعلیٰ، ابن ابی حاتم اور ابوبکر ابن مردویہ حضرت ابوسعید الخدری سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیہ "آت ذالقربیٰ حقہ" نازل ہوئی تو حضورؐ نے فاطمہؑ کو طلب فرمایا اور فدک ان کو ہبہ کر دیا۔ ابن مردویہ نے جناب عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ جب آیت "آت ذالقربیٰ حقہ" نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جناب فاطمہؑ کو فدک ہبہ فرما دیا۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ رسول خدا نے وثیقہ ہبہ جناب سیدہؑ کے حق میں تحریر فرما دیا اور یہی وثیقہ سیدہ نے حضرت ابوبکر کے دربار حکومت میں دکھلایا۔

(تفسیر در منثور امام جلال الدین سیوطی ج ۴ ص ۱۷۷ تاریخ حبیب السیر ج ۱ جزو سوم ص ۸۵، معارج النبوۃ ملا معین رکن چہارم باب دہم در بیان وقائع سال ہفتم از ہجرت واقعہ سیزدہم)

سیدہؑ کی ضمنی بحث

مقدمہ فدک اپنی نوعیت کا بڑا دلچسپ اور انوکھا مقدمہ ہے کیونکہ اس میں مدعا علیہ خود ہی بحیثیت مدعا علیہ اپنے عذرات پیش کرتے ہیں اور خود ہی اپنے خلاف دائر کردہ دعوے کا فیصلہ کرنے والے منصف ہیں۔ جب دوران بحث حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے مدعا علیہ کے عذر سنے تو سیدۃ النساء العالمین نے سوال کیا۔

سیدہؑ: اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو آپ کی جائداد کون لیگا؟

ابوبکر: میری اولاد۔

سیدہؑ: وائے افسوس ہے آپ پر! آپ کا ورثہ تو آپ کی اولاد پائے اور میں اپنے باپ کے ورثہ سے محروم رہوں؟ یہ لاوارث حدیث (حدیث لا نورث) محض بناوٹی ہے۔ اگر یہ قول رسولؐ ہوتا تو والد بزرگوار سب سے پہلے

ہم سے بیان فرماتے۔ قرآن شریف میں ہے کہ "وارث سلیمان، داؤد" اور حضرت زکریا کی دعا قرآن مجید میں موجود ہے کہ:

"انی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب"

اور یہ علیؑ و حسنینؑ ہیں جن کو روز مباہلہ رسالت محمدیہؐ اور خلافت عیسیٰؑ کی شہادت کے لئے خداوند کریم کے حکم سے پیش کیا گیا تھا۔ مگر آج ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۸۶، تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۰۲)

حضرت ابوبکر کا فیصلہ

حضرت ابوبکر نے سیدہؑ طاہرہ کی بحث کو صحیح تسلیم کر کے آپ کے حق میں فدک وغیرہ کی اراضیات کا وثیقہ لکھ دیا۔ اس وثیقہ کو لے کر آپ چلنے لگیں تھیں کہ حضرت عمرؓ آئے اور وہ وثیقہ حضرت فاطمہؑ سے لے کر پھاڑ ڈالا۔ اور حضرت ابوبکر کو کہا کہ یہ مقدمہ خارج کر دو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دیا کہ گواہوں کا نصاب پورا نہیں ہوا اور حدیث لا نورث مانع حصول ورثہ ہے۔

(انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون ج ۳ ص ۴۰۳ از علی بن برہان الدین)

حمایت فیصلہ

علمائے اہل سنت نے اس فیصلہ کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے۔ چنانچہ مشہور سنی مناظر علامہ ابن حجر مکی اس فیصلہ کی تائید بایں الفاظ کرتے ہیں۔

"اور جناب فاطمہؑ کا دعویٰ کہ حضورؐ نے ان کو فدک ہبہ کر دیا تھا سو اس دعویٰ پر علیؑ و ام ایمن کی شہادت انہوں نے پیش کی لیکن اس سے شہادت و گواہی کا صحیح درجہ پورا نہیں ہوتا کیونکہ علماء میں زوجہ کے حق میں اس کے شوہر کی

شہادت قبول کرنے میں اختلاف ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے اپنے گواہوں سے حلف پر شہادت نہ لی ہو۔ لوگوں کا یہ خیال کہ امام حسن و حسین اور ام کلثوم نے بھی تو شہادت حضرت فاطمہؑ کے حق میں دی تھی اس وجہ سے باطل ہے کہ اولاد اور کمسن بچوں کی گواہی اپنے والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ امام زید بن حسن بن علی بن الحسین نے حضرت ابو بکر کے اس فعل کو صحیح سمجھا اور کہا کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو یہی فیصلہ کرتا۔ ایک روایت میں ہے کہ جو دوسرے باب میں لکھی جائے گی کہ زید نے کہا کہ ابو بکر رحمدل تھے یہ نہیں چاہتے تھے کہ جناب رسول خدا کے ترکہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کریں۔ پس جناب فاطمہ نے ان سے آکر کہا کہ آنحضرتؐ نے فدک مجھے عطا کر دیا ہے تو ابو بکر نے ان سے اس دعویٰ کی شہادت طلب کی پس ان کے حق میں علی و ام ایمن نے شہادت دی۔ اس پر ابو بکر نے کہا کہ ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت سے تمہارا حق ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد زید نے کہا کہ بخدا اگر یہی معاملہ میرے سامنے پیش ہوتا تو میں بھی وہی فیصلہ دیتا جو حضرت ابو بکر نے دیا تھا۔ ان کے بھائی امام باقر سے کہا گیا کہ کیا حضرت ابو بکر و عمر نے تمہارے اوپر ظلم کیا انہوں نے جواب دیا کہ قرآن شریف کے نازل کرنے والے کی قسم انہوں نے ہمارے اوپر رائی کے دانہ برابر بھی ظلم براہ راست نہیں کیا"۔

(صواعق محرقہ باب الاول فصل الخامس صفحہ ۲۲)

اس حمایتی بیان پر ہم جوابی گفتگو آئندہ کریں گے تاہم قارئین یہ بات ذہن میں محفوظ رکھیں کہ علامہ ابن حجر مکی جیسے مناظر نے اپنی اس کتاب میں جو مذہب شیعہ کے رد میں لکھی ہے یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے دربار حکومت میں تشریف لا کر فدک کا دعویٰ ہبہ و وراثت پیش کیا اور اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لئے حضرت علی، حسن، حسین، ام کلثوم اور ام ایمن کو شہادت میں پیش کیا مگر حضرت ابو بکر نے ان سب کو ناقابل اعتبار قرار دے کر مسترد کر دیا۔ اسی طرح کا تائیدی بیان

"شرح مواقف" میں مرقوم ہے۔

"اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فاطمہ نے دعویٰ کیا کہ حضور نے انہیں فدک عطا کیا تھا اور اس بات کی شہادت حضرت علی و حسنین و ام کلثوم نے دی اور ان کی شہادت کو حضرت ابوبکر نے رد کر دیا اور اس وجہ سے وہ ظالم قرار پائے تو ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حسن و حسین کے متعلق تو یہ ہے کہ اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک اولاد کی شہادت اپنے والدین کے حق میں مقبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ صغیر السن تھے اور حضرت علی و اُم ایمن کے متعلق یہ جواب ہے کہ ان دونوں سے نصاب شہادت پورا نہیں ہوتا کیونکہ نصاب شہادت یہ ہے کہ یا تو دو مرد گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں"۔ (شرح مواقف بحوالہ البلاغ ج ۲ ص ۲۲۸)

قبل اس کے کہ ہم اس عجیب و غریب فیصلہ پر تنقیدی گفتگو سپردِ قلم کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فیصلہ کے بعد سیدہ طاہرہ صدیقۃ الکبریٰ حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کا وہ خطبہ نقل کریں جو اس فیصلے کے بعد فخرِ عصمت نے مسجدِ رسولؐ میں ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ عالیہ سے جو مطالب اخذ ہوتے ہیں ان سے معرفت الٰہی، عظمت و رفعت نبوت، شان امامت اور شناخت حق و باطل کی تمام راہیں واضح ہو جاتی ہیں۔ سیدہؑ فرماتی ہیں کہ:

خطبہ "اللہ ہی کے لئے حقیقی حمد مخصوص ہے کہ اس نے نعمتیں عطا فرمائیں۔ اللہ ہی لائق شکر ہے کہ اس نے نفس کو نیکی و بدی کی تمیز بخشی۔ وہی ذات حقدار ثنا ہے کہ اس نے اپنے انعام عام کئے اور مساوی طور پر اپنے بندوں پر اپنی کامل نعمتوں کا انعام و اکرام فرمایا۔ اس کی نعمتوں کا شمار ناممکن ہے۔ اور ایسی نعمتیں ہیں جن کی مدت عرصہ شکر سے کہیں زیادہ ہے۔ اُن کی ہمیشگی کا ادراک انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں کو شکر کر کے اپنی نعمتیں زیادہ کرانے کی جانب ترغیب دلائی تاکہ انعامات کا تسلسل جاری رہے اور نعمتوں کے جزیل ہونے کی وجہ سے

مخلوقات پر اپنی حمد کی فرمائش کی اور پھر انہیں دنیوی نعمات کی طرح اخروی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی طرف مائل کیا۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اللہ جو یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ کلمہ توحید وہ کلمہ ہے جس کی تاویل خدا نے صفت اخلاص کو قرار دیا (یعنی جو شخص خالص خدا کے لئے بغیر ریاکاری و فاسد مقصدوں کے اعمال صالحہ بجالائے درحقیقت وہی کلمہ توحید کا حقیقی قائل اور پر خلوص معتقد خدا ہے) اور کلمہ کے مطالب کو عقلوں کے لئے ضروری قرار دیا کہ اس کے مطالب تک پہنچنے کی کوشش کریں اور اس کلمہ کے حاصل معنوں کو دلیل و برہان کے ذریعہ غور و فکر کی قوت کے لئے واضح اور روشن کر دیا۔ ایسا خدا جس کا دیدار ان ظاہری آنکھوں سے امر محال ہے۔ نہ زبانیں اس کی وصف بیانی کر سکتی ہیں اور نہ وہم کو اس کی کیفیت تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اس نے اشیاء کو بغیر کسی ایسی چیز کے پیدا کیا جو اس سے قبل موجود رہی ہو اور عالم کو وجود میں بغیر کسی ایسی مثال کے جسے پیدا کرتے وقت پیش نظر رکھا ہو۔ ان چیزوں کو اس نے اپنی قدرت (کاملہ) سے خلق فرمایا اور اپنی مشیت سے پیدا کیا۔ حالانکہ وہ ان چیزوں کو پیدا کرنے کی حاجت نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی ان اشیاء کو صورت و وجود عطا کرنے میں اس کو کوئی فائدہ تھا۔ محض اس لئے پیدا کیا کہ عقیل لوگ اس کی حکمت کا ثبوت حاصل کر لیں اور اس کی بندگی و اطاعت و شکر کی جانب متوجہ ہوں۔ اللہ کی قدرت کا اظہار ہو۔ بندے اس کی بندگی کا اقرار کریں۔ اور پیغمبروں کو اس کی طرف بلانے میں غلبہ حاصل ہو پھر اس ذات باری نے اپنی فرمانبرداری پر ثواب مقرر کیا اور گناہ و مخالفت پر سزا قرار دی تاکہ اپنے بندوں کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے اور گھیر کر سوئے جنت لے جائے۔

میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے والد بزرگوار محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جنہیں اس نے رسول بنا کر بھیجنے سے پہلے ہی مختار و منتخب بنا لیا۔ ان کو مبعوث

کرنے سے قبل ہی نبیوں کو ان کے نام سے آگاہ کر دیا تھا۔ اور انہیں درجۂ رسالت پر فائز کرنے سے قبل ہی مصطفےٰ قرار دیا تھا۔ ایسے میں جبکہ ساری مخلوق غیب کے حجاب میں پوشیدہ اور عدم کے ہولناک پردوں میں محفوظ تھی۔ اور حد عدم سے وابستہ تھی۔ یہ سب اس لئے تھا کہ خداوند عالم کو انجام امور کی خبر تھی۔ اور تمام حوادثات زمانہ کو اس کا علم محیط کئے ہوئے تھا۔ اور مقدرات کے موقعے اس کے علم کے اندر تھے۔ آنحضور کو اللہ نے اپنے امر ہدایت کو تمام کرنے، اپنے حکم کو جاری کرنے کی مضبوطی اور حتمی دلے شدہ مقدرات کو نافذ کرنے کے لئے مبعوث فرمایا۔ وہ جانتا تھا کہ امتیں مذاہب میں فرقہ فرقہ ہوگئی ہیں۔ کچھ لوگ آتش پرمائل ہیں بعض لوگ بتوں کی پوجا کر رہے ہیں۔ اور کچھ خدا کی ہستی کے علم کے باوجود اس کے منکر ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے میرے باپ حضرت محمد مصطفےٰ کے ذریعہ سے امتوں کی بے دینی کا اندھیرا دور کیا۔ عقلوں کی مشکل حل فرمائی۔ بصیرت پر پڑے پردے ہٹا دیئے۔ حضور نے بنی نوع انسان میں ہدایت کا کام انجام دیا۔ انہیں گمراہی سے چھٹکارا دلایا۔ ضلالت سے ہٹا کر ہدایت کی راہ پر گامزن فرمایا۔ دین قیم کی طرف رہبری کی اور صراط مستقیم کی جانب بلایا۔ پھر خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول کو مہربانی سے ان کے اختیار رغبت و ایثار کے ساتھ اپنی طرف بلایا۔ چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دار دنیا کی زحمتوں سے نکل کر راحت و آرام میں منتقل ہو گئے۔ ان کو ملائکہ ابرار گھیرے رہتے ہیں۔ رب غفار کی رضا اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ وہ ملک جبار کی ہمسائیگی سے بہرہ اندوز ہیں۔ خداوند عظیم درود نازل کرے میرے پدر نامدار پر جو اس کے رسول اور اس کی وحی پر اس کے امین ہیں اور اس کی مخلوقات میں اس کے برگزیدہ منتخب اور پسندیدہ تھے۔ ان پر خدا کا سلام، اس کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

(پھر جناب سیدہ حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا)

اے بندگانِ خدا! تم تو خدا کے امر و نہی کے بجا لانے کے لئے منصوب و مقرر ہو۔ اور اس کے دین اور وحی کے حامل ہو اور اپنے نفسوں پر اس کے امین ہو۔ دوسری امتوں کی طرف اللہ کی جانب سے مبلغ ہو۔ تم دوسری امتوں میں ضامن اور کفیل ہو اس عہد کے اور وصیت کے جو خدا نے تم سے کیا ہے اور اس بقیہ کے جن کو تم پر بعد رسولؐ ذمہ دار قرار دیا ہے اور وہ حق اور بقیہ خدا کی کتاب ناطق اور قرآن صادق ہے نور ساطع اور ضیاء لامع ہے۔ اس کی بصیرت کے امور ظاہر اور اس کے اسرار و رموز منکشف اور آشکار ہیں۔ اس کے ظواہر ہویدا اور جلی ہیں۔ اس کا اتباع کرنے والے قابلِ رشک ہیں اس کی پیروی رضوانِ خدا تک پہنچانے والی ہے۔ اور اس کو توجہ سے سننا نجات تک کھینچ کر لے جاتا ہے۔ اسی قرآن کے ذریعہ خدا کی منور حجتیں پائی جاتی ہیں۔ بیان شدہ واجبات معلوم ہوتے ہیں اور ان محرکات کی اطلاع ہوتی ہے جن سے ڈرایا گیا ہے۔ اور اسی قرآن سے اللہ کے مقرر کردہ مستحبات معلوم ہوتے ہیں۔ جن کی رغبت دلائی گئی ہے۔ اور ان مباح باتوں کا پتہ چلتا ہے جنہیں اللہ نے بندوں کے لئے حلال کر دیا ہے اور شریعت کی مقرر کردہ دیگر باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ پس خدا نے تمہارے لئے شرک سے پاک ہونے کا وسیلہ ایمان کو اور تکبر سے بری ہونے کا سبب نماز کو بنا دیا۔ زکوٰۃ کو نفس کی پاکیزگی اور رزق کی زیادتی کا ذریعہ قرار دیا اور روزہ اس لئے واجب کیا کہ دین میں مضبوطی زیادہ ہو۔ عدل و انصاف کو دلوں کی تنظیم ہماری اطاعت کو ملتِ اسلام کا نظام اور درستی اور ہماری امامت کو تفرقہ کی بلا سے بچنے کے لئے امان قرار دیا۔ جہاد کو اسلام کی عزت اور کفر و نفاق کی ذلت کا ذریعہ بنایا۔ مصیبت میں صبر کرنے کو تحصیل اجر میں مددگار اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں عوام الناس کے لئے مصالح و دلیت فرمائے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کو اس لئے واجب کیا کہ غضبِ خدا سے حفاظت رہے صلۂ رحم اس لئے مقرر کیا کہ عمر دراز رہے قصاص اس لئے قرار دیا کہ خونریزی رک جائے۔

نذر دوفا کرنے کی راہ اس لئے نکالی کہ بندوں کی معرفت مقصود تھی۔ پیمانہ اور وزن پورا کرنے کا حکم اس لئے واجب کیا کہ نحوست دور ہو۔ شراب پینے کی ممانعت اس لئے کی کہ برے اخلاق سے بندے پاک رہیں۔ زنا کا بے جا الزام لگانا اس لئے حرام کیا کہ لعنت کے سامنے ایک حجاب اور مانع پیدا ہو جائے چوری کرنے کو اس لئے ممنوع قرار دیا کہ دوسروں کے مال میں بے اجازت تصرف کرنے سے لوگ اپنے تئیں پاک رکھیں۔ خدا نے شرک کو اس وجہ سے حرام کیا کہ اس کی ربوبیت کا اقرار خالص رہے۔ لہٰذا خدا کی ناراضگی سے ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے۔ اور یہ کوشش کرو کہ جب مرو تو مسلمان ہی مرو۔ اور خدا کی اطاعت کرو اوامر میں اور ان امور سے باز رہو جن سے منع کیا گیا ہے۔ بے شک ایسے خشوع والے لوگ علماء ہیں۔

اے لوگو! جان لو کہ میں فاطمہ ہوں، میرے والد محمد مصطفےٰ ہیں۔ جو بات میں تم سے پہلے کہہ رہی ہوں وہی آخر تک کہتی رہوں گی۔ اور میں جو کہتی ہوں وہ غلط نہیں کہتی۔ اور اپنے (کسی) فعل میں حد سے تجاوز نہیں کرتی۔ بے شک ہمارے پاس خدا کا وہی رسول آیا ہے جو تم ہی لوگوں میں سے ہے۔ اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ اور اسے تمہاری بہبودی کا ہو کا ہے۔ مومنوں پر حد درجہ شفیق اور مہربان ہے پس اگر تم ان کی طرف کسی کو نسبت دو اور ان کا تعارف کراؤ۔ تو تم ان کو میرا باپ پاؤ گے۔ نہ کہ اپنی عورتوں کا۔ اور میرے ابن عم (علی ابن ابی طالب) کا بھائی پاؤ گے نہ اپنے مردوں میں سے کسی کا۔ اور حضور ہی بہترین شخص ہیں جن کی طرف نسبت کی جائے۔ پس آنحضرت نے خدا کا پیغام بہت اچھی اور پوری طرح پہنچا دیا۔ اس طرح کہ خدا سے ڈرانے میں پوری وضاحت سے کام لیا۔ اور مشرکوں کے مسلک سے بالکل علیحدہ اور مخالف راہ نکالے ہوئے تھے۔ مشرکوں کے مسلک کی ممتاز چیزوں پر ضرب کاری لگا رہے تھے اور ان کا ناطقہ بند کئے ہوتے تھے۔ اور اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دے رہے تھے۔ بتوں کو

توڑ رہے تھے۔ مشرکوں کے سرداروں کے سر نگوں کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ مشرکوں
کو شکست فاش ہوئی۔ وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ جہالت کی شب
تمام ہوئی۔ ہدایت کی صبح نے جلوہ دکھایا۔ اور حق اپنی خالص شکل میں نمودار ہوا۔ دین
کا ڈنکا بجنے لگا۔ شیطانوں کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ نفاق پرور کمینے ہلاک ہو گئے۔
کفر اور بے دینی کی گرہیں کھل کر رہ گئیں۔ اور تم نے چند روشن نسب روزہ دار (یعنی
اہل بیت رسولؐ) کے درمیان زبان پر کلمہ ہدایت جاری کیا۔ اس حالت میں کہ تم
جہنم کے کنارے پر تھے۔ ایسے بے مقدار جیسے پینے والے کا ایک گھونٹ اور طمع کرنے
والے کا ایک چلو اور جلدی کرنے والے کی ایک چنگاری۔ اور ایسے ذلیل تھے جیسے
پیروں تلے کی مٹی۔ گندہ پانی پیتے تھے اور بے دباغت کی ہوئی کھال چباتے تھے۔ ذلیل تھے
اور دھتکارے ہوئے تھے۔ اور ڈر رہے تھے کہ وہ لوگ جو تمہارے اردگرد ہیں تم کو
ہلاک نہ کر ڈالیں۔ ایسے وقت پر اللہ نے تم لوگوں کو میرے والد محمدؐ کے ذریعہ ان فکروں
سے نجات دی۔ ان چھوٹی بڑی بلاؤں کے بعد اور بعد اس کے کہ بہادروں کے
ساتھ ان کی آزمائش کی گئی۔ عرب کے ڈاکوؤں اور اہل کتاب کے سرکشوں سے
آنحضرتؐ کو سابقہ پڑا تھا۔ جب کبھی ان لوگوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی خدا نے
اس کو بجھا دیا۔ یا جب کبھی شیطان نے سر اٹھایا یا مشرکوں کی شرارت کے اژدہا نے
منہ کھولا تو رسولؐ خدا نے اپنے بھائی علیؑ ہی کو اس بلا کے منہ میں بھیجا۔ پس اس
بہادر علیؑ کی شان یہ تھی کہ وہ اس وقت تک نہ پلٹتا جب تک کہ اپنے پیروں تلے
ان بلاؤں کے سر نہ کچل دیتے اور فتنے کی آگ نہ بجھا دی۔ وہ (علیؑ) خدا کے بارے
میں مشقت کرنے والا، امر الٰہی میں کوشش تمام کرنے والا، ہر بات میں اللہ کے
رسولؐ کے قریب، اولیاء اللہ کا سردار، ہدایت پر کمربستہ، بندگان خدا کا ناصر،
مفید باتیں پیش کرنے والا، سعی بلیغ اور کوشش جمیل کرنے والا ہے۔ اور تم
لوگ زندگی کی خوشگوار حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ اطمینان اور خوش طبعی کے

حالت میں بے خوف و خطر آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہم پر مصائب آپڑنے کے آرزومند تھے۔ اور ہمارے لئے فتنوں اور مصیبتوں کی امید رکھتے تھے۔ تم لوگ میدان جنگ میں پسپا ہو جاتے اور میدان سے بھاگ جاتے تھے۔ پس جب خدا نے اپنے رسولؐ کے لئے گذشتہ نبیوں کے گھر اور اپنے اصفیا کے مسکن کو پسند فرمایا۔ (یعنی حضورؐ کو دنیا سے واپس بلایا) تم لوگوں میں نفاق اور دشمنی ظاہر ہوئی۔ دین کی چادر بوسیدہ ہو گئی۔ گمراہوں کی زبان کھل گئی۔ گمنام و ذلیل افراد ابھر آئے باطل پرستی کا اونٹ بولنے لگا۔ اس نے تمہارے صحن میں اپنی دم ہلانی شروع کر دی۔ شیطان نے اپنے گوشے سے سر نکالا۔ اس نے تمہیں بلانے کے لئے آواز دی اور اپنی صدا پر تمہیں حاضر جناب کہتے ہوئے پایا۔ اپنے قریب کی طرف تم کو نگراں دیکھ لیا پھر اس نے تم کو اپنی فرمانبرداری کے لئے اٹھنے کا حکم دیا تو تمہیں چاک و چوبند پایا۔ اور تمہیں بھڑکایا اور اپنی مدد میں تمہیں تند و پر جوش پایا۔ لہٰذا تم نے اپنے اونٹ کے بدلے دوسرے کے اونٹ کو داغا۔ اور اپنا گھاٹ چھوڑ کر دوسرے کے گھاٹ پر پانی پلایا۔ یعنی جو دوسرے کا حق تھا اُسے زبردستی اپنا حق بنا لیا۔ درآنحالیکہ تم سے رسولؐ کے عہد و پیمان کا وقت قریب تھا۔ اور ان کی جدائی کا زخم ہرا تھا۔ جراحت مندمل نہ ہوئی تھی اور رسولؐ خدا دفن تک نہ ہوئے تھے کہ شیطانی کاموں کی طرف تم نے سبقت کی۔ یہ گمان کر کے کہ فتنے کا خوف پیدا ہو گیا تھا حالانکہ یہ گمان غلط تھا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ منافقین پھر بھی فتنے میں جا گرے ہیں اور جہنم بے شک کافروں کا گھیرنے والا ہے تم سے سخت تعجب ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اور تم کہاں حق سے منہ موڑے ہوئے چلے جا رہے ہو۔ یہ خدا کی کتاب تمہارے درمیان موجود ہے۔ اس کے امور ظاہر ہیں۔ اس کے احکام روشن ہیں اور اس کی نشانیاں واضح ہیں۔ اس کی تنبیہیں صاف و علانیہ ہیں اور اس کے اوامر آشکارا ہیں۔ ایسی کتاب کو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ کیا اس سے نفرت کر کے پیٹھ پھیرتے ہو یا غیر قرآن کے ساتھ احکام جاری سے

کرنے پر تیار ہو گئے ہو ۔ ظالموں کے لئے ان کے ظلم کا بہت برا بدلہ ہے۔ اور جو شخص کہ اسلام کے سوا کسی اور طریقے پر چلے گا وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔ پھر تم نے اتنی بھی تاخیر نہ کی کہ فتنہ کی لغزت ذرا کم ہو جاتی اور اس پر قابو پانا ذرا آسان ہو جاتا بلکہ تم نے پھر آگ کو زیادہ بھڑکانا شروع کر دیا۔ اور اس کی چنگاریاں تیز کرنے لگے۔ شیطان گمراہ کی آواز پر لبیک کہنے، دین روشن کے نور کو بجھانے اور پیغمبر کی سنتوں کو مٹانے پر تیار ہو گئے۔ بظاہر تم نے اسلام اختیار کر رکھا ہے اور دراصل باطن میں نفاق ہے۔

رسولِ خدا کے اہل بیت اور اولاد کے خلاف گنجان درختوں اور گھنی جھاڑیوں میں چھپ کر چال چلنے لگے اور ہم لوگ تمہارے افعال پر یوں صبر کرنے لگے جیسے کوئی چھری کی کاٹ اور نیزے کے سینے میں پیوست ہونے پر صبر کرتا ہے۔ اور تم یہ گمان کرنے لگے ہو کہ مجھ کو اپنے والد گرامی قدر کے ترکہ میں کوئی حق وراثت نہیں ہے۔ کیا تم جاہلیت کے احکام پسند کرتے ہو۔ خدا سے بہتر حکم کرنے والا یقین رکھنے والی قوم کے لئے اور کون ہے۔ کیا تم نہیں جانتے بلاشبہ تم جانتے ہو۔ اور تمہارے لئے یہ امر آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ میں رسولؐ کی بیٹی ہوں۔

کیوں مسلمانو! کیا تم اس پر راضی ہو کہ میری میراث مجھ سے چھین لی جائے اور اے ابو قحافہ کے بیٹے! یہ کتاب خدا میں ہے کہ تو اپنے باپ کی میراث پائے اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں؟ تو نے یہ کیا بری بات پیش کی ہے کیا تم لوگوں نے دیدہ و دانستہ خدا کی کتاب کو چھوڑ رکھا ہے۔ اور اس کو پس پشت ڈال دیا ہے حالانکہ اس میں ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے باپ جناب داؤدؑ کے وارث ہوئے۔ اور جناب یحییٰؑ کے قصے میں حضرت ذکریاؑ کی یہ دعا مذکور ہے کہ خداوندا مجھے اپنے پاس سے ایسا وارث عطا کر جو میری میراث پائے اور آل یعقوب کا ورثہ بھی لے۔ پھر اسی کتاب میں رب العزت فرماتا ہے کہ تمہارا رب تمہاری اولاد کے بارے میں

تم کو وصیت کرتا ہے کہ میراث کی تقسیم میں ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو۔ پھر ارشاد ہے کہ اگر کوئی مرتے وقت مال چھوڑے تو وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کیلئے نیکی یعنی میراث کی وصیت کر جائے۔ خدا تو یہ فرماتا ہے اور تم نے گمان کر رکھا ہے کہ میرا کوئی حق ہی نہیں ہے میں اپنے باپ کی وارث ہی نہیں بن سکتی اور ہم لوگوں کے درمیان کوئی رحمی قرابت ہی نہیں ہے۔ کیا خداوند عالم نے معاملۂ میراث میں تم کو کسی آیت کے ساتھ مخصوص کیا ہے جس سے میرے پدر بزرگوار کو مستثنیٰ کر دیا ہے یا تم کہتے ہو دو ملت والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے تو کیا میں اور میرے والد بزرگوار ایک ملت پر نہیں ہیں۔ شاید تم میرے پدر بزرگوار اور میرے ابن عم (علی) کی نسبت خصوص و عموم قرآن کو بہتر سمجھتے ہو۔

اچھا آج فدک کو اس طرح قبضہ میں کر لو جس طرح مہار و پالان بستہ ناقہ قبضے میں کیا جاتا ہے۔ (اس کے نتائج سے) تو قیامت کے دن اے ابوبکر ملاقی ہوگا۔ اور خداوند تعالیٰ بہت اچھا حکم کرنے والا ہوگا۔ اور محمدؐ ہمارے ضامن و وکیل ہوں گے۔

پس اے ابوبکر میری اور تیری وعدہ گاہ اب قیامت ہے۔ اور قیامت کے دن باطل پرست گھاٹے میں رہیں گے۔ اور اس وقت کی ندامت تم لوگوں کو فائدہ نہ پہنچائے گی۔ ہر امر کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم اس شخص کو معلوم کر لو گے جس پر عذاب نازل ہو کر اُسے رسوا کرے گا اور اس کے لئے دائمی عذاب مقرر ہو گا۔

(پھر جناب سیدہؑ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا)

اے جوانمردوں کے گروہ! اے ملت کے دست و بازو! اے اسلام کی حفاظت کرنے والو! میرے حق میں کیسی سستی ہے۔ اور میری فریاد سے یہ کیسی غفلت ہے۔ کیا میرے پدر نامدار تمہارے رسولؐ یہ نہیں فرماتے تھے کہ کسی شخص کی حفاظت اس کی اولاد کی حفاظت کر کے ہوتی ہے۔ کتنی جلدی تم نے دین میں بدعت پیدا کر دی اور اس کے قبل از وقت مرتکب ہوئے درآنحالیکہ تم کو اس بات کی طاقت

حاصل ہے جس کا میں مطالبہ کرتی ہوں۔ اور تم کو قوت حاصل ہے اس چیز پر جو میں تم لوگوں سے طلب کر رہی ہوں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے جناب محمدؐ مصطفےٰ نے انتقال فرمایا۔ پس یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ جس کا رخنہ وسیع ہے جس کا شگاف بہت زیادہ ہے۔ اور اس کا اتصال افتراق سے بدل چکا ہے۔ زمین ان کی آفات سے تاریک ہو چکی ہے۔ خدا کے برگزیدہ بندے ان کی مصیبت میں محزون و مغموم رہتے ہیں۔ شمس و قمر بے نور اور ستارے پریشان ہیں۔ ان بزرگوار کی ذات سے جو آرزوئیں وابستہ تھیں وہ ختم ہو چکیں اس مصیبت میں پہاڑوں کے دل بھی آب آب ہو رہے ہیں۔ حرمت رسولؐ ضائع کر دی گئی اور حریم رسولؐ کی عظمت لوگوں کے دلوں سے اٹھ گئی۔ پس یہ مصیبت قسم بہت بڑی بلا اور عظیم مصیبت ہے۔ اس کے مثل کوئی اور بلا نہیں اور نہ اس سے زیادہ ہلاک کرنے والی تیز مصیبت اور اس بلا کی خبر خدائے برتر کی کتاب میں خود تمہارے گھروں میں صبح و شام نہایت خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز کے ساتھ پہنچا دی گئی تھی۔ اور بے شک آنحضرتؐ سے پہلے خدا کے پیغمبروں اور رسولوں پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں وہ امر واقعی اور قضائے حتمی تھیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ محمدؐ فقط خدا کے رسول تھے۔ ان کے پیشتر بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں پس اگر محمدؐ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم لوگ اپنے پچھلے پیروں اپنے سابق جاہلیت کے مذہب پر پلٹ جاؤ گے اور جو شخص بھی اپنے پچھلے پیروں پلٹے گا وہ ہرگز خدا کو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اور اللہ عنقریب شکر گذاروں کو جزا دے گا۔

اے قبیلہ اوس و خزرج! اے انصار محمدؐ! میرے باپ کی میراث میں ظلم کیا جائے درآنحالیکہ تم میری آنکھوں کے سامنے ہو، اور تمہاری آواز سن سکتی ہوں۔ میں اور تم ایک ہی مجمع میں موجود ہیں۔ تم سب کے سب میرے قضیئے سے واقف ہو۔ تم سب سمجھنے والے ہو۔ تمہارے پاس سامان جنگ موجود ہے۔ تم قوت رکھتے ہو۔ تمہارے پاس حملے کے لئے ہتھیار بھی ہیں اور سپریں بھی ہیں۔ تم تک میری پکار پہنچ رہی

ہے۔ مگر تم لبیک نہیں کہتے۔ تمہارے پاس فریاد کی آواز آرہی ہے اور فریادرسی نہیں
کرتے۔ حالانکہ تم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت و استعداد رکھتے ہو۔ اور خیر و صلاح
کیلئے مشہور و معروف ہو۔ اور تم وہ منتخب افراد ہو اور ایسے عمدہ ہو کہ تمہیں ہم اہل بیت
کے لئے اختیار کر لیا گیا تھا۔ تم نے عرب سے جنگ کی۔ تعب و مشقت برداشت کی۔ دوسری
امتوں سے جنگ کی اور بہادروں سے مقابلہ کیا۔ پس ہمیشہ ہم حکم کرتے رہے اور تم
حکم مانتے رہے۔ یہاں تک کہ ہمارے آسیائے اسلام نے دورہ کرنا شروع کیا۔ زمانہ کا
نفع بڑھنا شروع ہوا۔ شرک کی آواز دب گئی۔ جھوٹ کا فوارہ بند ہو گیا۔ کفر کی آگ
بجھ گئی۔ اور فتنہ و فساد کی آواز بند ہو گئی۔ دین کا انتظام درست ہو گیا تو اب تم حق کے
واضح ہونے کے بعد کہاں اس سے منہ موڑ کر جاتے ہو اور اعلان حق کے بعد اسکی آواز کو
چھپا رہے ہو۔ آگے بڑھ کر پیچھے ہٹ رہے ہو۔ اور ایمان لانے کے بعد مشرک ہوئے جاتے
ہو خدا برا کرے ان لوگوں کا جنہوں نے اپنے عہد کو توڑا اور رسول کو نکالنے پر آمادہ
ہوئے اور انہوں نے ہماری دشمنی میں دوسروں کو ملانے کی ابتدا تم سے کی۔ تم ان سے
ڈرتے ہو حالانکہ خدا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ بشرطیکہ تم مومن ہو۔ میں
دیکھ رہی ہوں کہ تم آرام طلبی پر مائل ہو گئے ہو۔ اور اس بزرگ کو (علیؑ کو) دور کر دیا
ہے جو دین کے حل و عقد کا زیادہ حقدار ہے۔ تم زندگی کی تنگی سے نکل کر تونگری
میں آ گئے ہو۔ اور دین کی باتیں جو کچھ تم نے یاد کی تھیں۔ ان کو تم نے دماغ سے بالکل
نکال کر پھینک دیا ہے اور جس پانی کو شیریں سمجھ کر پیا تھا اس کو تم نے اگل دیا۔ پس
اگر تم لوگ اور تمام اس زمین والے کافر ہو جائیں تو خدا کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔
آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اس ترک نصرت کو جانتے ہوئے کہا ہے جو
تمہارے مزاج میں داخل ہو گئی ہے۔ اور اس غداری کو جانتے ہوئے کہا ہے جس
کو تمہارے دلوں نے چھپا رکھا ہے۔ یعنی میں جانتی تھی کہ تم میری آواز فریاد پر لبیک نہ
کہو گے۔ لیکن یہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ غم کا اظہار ہے۔ کھولتے ہوئے دل کی آہ۔ یہ

اب یہ ناقہ (دین و حکومت) تمہارے سامنے ہے۔ اس کو لو۔ اس پر پالان باندھو۔ مگر یاد رکھو! کہ اس کی پشت مجروح ہے اور پاؤں زخمی ہیں۔ اس کا عیب باقی رہنے والا ہے۔ جس پر خدا کے غضب کی نشانی اور دائمی رسوائی کا داغ ہے۔ خدا کی آگ سے متصل ہے جو بھڑک رہی ہے اور قیامت میں دلوں پر وارد ہوگی۔ پس جو کچھ کرتے ہو اسے یاد کروگے۔ وہ خدا کی نظروں کے سامنے ہے۔ اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ ان کی بازپرس کتنی عبرت ناک و سخت ہوگی۔ میں اس رسول کی بیٹی ہوں جو تمہیں سامنے آنے والے شدید عذاب سے ڈراتا تھا۔ پس تم اپنا کام کرو اور ہم اپنا عمل کرتے ہیں۔ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں"!

(جب صدیقہ طاہرہ کا کلام یہاں تک پہنچا تو حضرت ابوبکر نے کہا)

حضرت ابوبکر کا جواب

"اے رسول اللہ کی بیٹی۔ یقیناً آپ کے والد بزرگوار مومنین پر مہربان، شفیق اور رحمت والے تھے۔ اور کافرین کے لئے دردناک عذاب اور بڑی عقوبت تھے۔ پس اگر ہم ان کا ذکر کریں تو تمام دنیا کی عورتوں میں ان کو صرف آپ کا باپ اور مردوں میں صرف آپ کے شوہر کا بھائی پائیں گے جن کو آنحضرت نے اپنے ہر دوست پر مقدم رکھا تھا۔ اور آپ کے شوہر نے ہر بڑے امر میں حضورؐ کی مدد کی۔ تم اہلبیت کو نہ دوست رکھے گا مگر نیک بخت شخص اور نہ دشمن رکھے گا مگر شقی اور بدبخت۔ تم رسول خدا کی پاکیزہ اولاد اور پسندیدہ افراد ہو۔ تم لوگ خیر کی طرف ہمارے رہبر اور جنت کی جانب ہمارے ہادی ہو۔ اور اے عورتوں میں سب سے بہتر خاتون اور انبیاء میں سے بہترین نبی کی دختر تم اپنے قول میں سچی اور اپنی زیادتی عقل میں سب سے آگے ہو۔ تم نہ اپنے حق سے روکی جاؤ گی اور نہ سچ بولنے سے باز رکھی جاؤ گی۔ خدا کی قسم میں نے نہ تو رسولؐ خدا کی رائے سے تجاوز کیا ہے۔ اور نہ ان کے حکم کے بغیر

کوئی کام کیا ہے۔ آپ وہ دارث کی تلاش میں آگے جانے والا اپنے اہل وعیال سے جھوٹ نہیں بولتا۔ میں خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں اور وہ گواہی کے لئے کافی ہے کہ میں نے رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم گروہ انبیاء نہ تو سونے چاندی کو میراث میں چھوڑتے ہیں اور نہ مکان و جائیداد۔ ہم نبی لوگ تو کتاب، حکمت، علم نبوت کو وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں۔ اور جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ ہمارے بعد ولی امر (حاکم) کا ہوتا ہے۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اس میں اپنا حکم جاری کرے۔ اور جو تم مانگ رہی ہو یعنی فدک اس کو ہم نے جنگی گھوڑوں اور سامان جنگ کے لئے مخصوص کر دیا جس کے ذریعے مسلمان کافروں سے جہاد کریں گے اور سرکش فاجروں کا مقابلہ کریں گے اور یہ چیز میں نے تنہا اپنی رائے سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے اجماع کی مدد سے کی ہے اور میرا حال و مال آپ کا ہے۔ اور آپ کے سامنے حاضر ہے۔ اسے میں آپ سے دریغ نہ کروں گا۔ آپ اپنے باپ کی امت کی سردار ہیں۔ اور اپنی اولاد کی شجرۂ طیبہ ہیں آپ کی فضیلت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آپ کے فرع واصل کو پست نہیں سمجھا جا سکتا۔ آپ کا حکم اس مال میں نافذ ہے۔ جو میری ملکیت ہے۔ پس کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں نے ان باتوں میں آپ کے والد محترم کی مخالفت کی ہے؟"

(سیدۂ طاہرہ نے بڑے تحمل سے حضرت ابوبکر کی تقریر سماعت فرمائی اور تمام باتیں سن کر جواباً ارشاد فرمایا)

حضرت فاطمہ کا جواب

"سبحان اللہ! میرے پدر بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو کتاب خدا سے روگرداں تھے اور نہ اس کے احکامات کے مخالف بلکہ اس کے حکم کے تابع تھے اور اس کی سورتوں کے پیرو تھے۔ کیا تم لوگوں نے اللہ کے رسول پر جھوٹ باندھ کر اس کے

ذریعہ دغابازی کا اجماع کر لیا ہے۔ حضورؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد یہ حرکت ویسی ہی ہے جیسے آنجنابؐ کی زندگی میں ان کو ہلاک کرنے کے لئے جاری تھی۔ یہ کتاب خدا، حاکم، عادل فیصلہ کن ناطق ہے۔ اس کا ارشاد ہے جبکہ حضرت ذکریاؑ نے کہا وہ لڑکا میرا بھی ورثہ لے اور آلِ یعقوبؑ کا بھی ورثہ پائے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ نے جنابِ داؤدؑ کا ورثہ لیا۔ پس خداوند تعالیٰ نے جو مال کی تقسیم و میراث کی حد مقرر کر دی ہے اور بنی آدمؑ کے مردوں اور عورتوں کا میراث میں جو حصّہ قرار دیا ہے اس میں وہ چیز بیان کر دی ہے جو باطل پرستوں کی غلط دلیلوں کو دور کر دے اور آئندہ نسلوں کے شکوک و شبہات کو رفع کر دے۔ بے شک تمہارے نفسوں نے تمہارے سامنے ایک بُرے امر کو مستحسن اور خوشنما بنا کر پیش کر دیا ہے۔ پس میرے لئے صبر جمیل ہی مناسب ہے۔ اور جو باتیں تم بنا رہے ہو اس پر خدا ہی سے مدد طلب کی جائے گی۔"

(اس پر حضرت ابوبکر بولتے ہیں)

حضرت ابوبکر کا کلام

"خدا بھی سچا، اللہ کا رسول بھی سچا، اور رسولؐ کی بیٹی بھی سچی، تم حکمت کا معدن، ہدایت و رحمت کا مسکن اور دین کا رکن ہو۔ تمہاری درست باتوں کو حق سے دور نہیں سمجھتا۔ اور تمہارے کلام کا انکار نہیں ہے۔ لیکن میرے اور تمہارے درمیان یہ مسلمان ہیں جنہوں نے مجھے حاکم بنایا ہے۔ اور میں نے جو کچھ تم سے چھین کر اپنے قبضہ میں لیا ہے وہ ان ہی مسلمانوں کے اتفاق سے ہوا ہے۔ اس میں نہ میں نے ہٹ دھرمی کی ہے اور تنہا اپنی رائے سے کام لیا ہے۔ اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔"

(یہ جواب سنکر بی بی پاک لوگوں کی طرف متوجہ ہوتی ہیں)

سیدہؑ کا مسلمانوں سے خطاب

"اے انسانوں کے ایسے گروہ جو باطل کا قول اختیار کرنے میں جلدی کرنے والا ہے۔ اور فعل قبیح و نقصان سے چشم پوشی کئے ہوئے ہے۔ کیا تم لوگ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے ہو۔ یا تمہارے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں؟

بے شک تمہارے دلوں پر تمہارے فعل بد کا زنگ چڑھ گیا ہے جس نے تمہارے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دی ہیں۔ جو تاویل تم نے کی ہے وہ بہت بری ہے۔ اور جو اشارہ تم نے کیا ہے وہ انتہائی لغو اور بدتر ہے۔ اور وہ بہت شر عظیم ہے جسے تم نے حق کے بدلے میں اختیار کیا ہے۔ خدا کی قسم تم اس کے بوجھ کو بہت گراں اور اس کے انجام کو سخت اذیت ناک پاؤ گے۔ جب تمہارے سامنے سے پردے ہٹا دئے جائیں گے تو گھن دار جنگل کی طرح ادھر کی چیزیں مقابل آجائیں گی تو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہیں وہ سزا ملے گی جس کا تم گمان بھی نہ کرتے تھے۔ اس وقت باطل پرست نقصان اٹھائیں گے۔"

(سیدہؑ اپنے کلام کو یہاں تک پہنچانے کے بعد قبر رسولؐ کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور چند اشعار انشاء فرماتی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے)

"ابا جان! آپ کے بعد نئی نئی خبریں اور مختلف قسم کی باتیں پیدا ہو گئیں اگر آپ ان کے دیکھنے والے ہوتے تو یہ مصائب نہ پڑتے۔ ہم آپؐ کے فیض سے اس طرح محروم ہو گئے جس طرح زمین بارش رحمت سے محروم ہو جاتی ہے۔ آپؐ کی قوم کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ لوگ کس طرح حق کی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔"

(ماخوذ از بلاغات النساء بحوالہ سیرۃ فاطمۃ الزہرا صفحہ ۲۰۲ تا صفحہ ۲۲۲)

فدک کے معاملہ میں وارث تطہیر، خاتون جنت، دختر رسول سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے خطبہ میں ایسی عمدہ بحث کی ہے جس کا جواب نہیں ہو سکتا

ہے۔ ایک ایک جملہ کئی کئی مطالب کو واضح کرتا ہے۔ لاتعداد اختلافات حل ہو جاتے ہیں لہٰذا ایسی عظیم الشان اور پُر برہان دکالت کے بعد اصولاً کسی مزید بحث وجرح کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے اور اگر اختصار ملحوظ نہ ہو تو ہر قسم کے عذرات کو باطل کرنے کے لئے ہم اسی خطبہ کا مشرح تجزیہ کرتے ہیں جس سے فریق مخالف کی ہر دلیل بآسانی رد کی جاسکتی ہے۔

مدعا علیہ کو مخاطب کرکے بی بی پاک کا ارشاد فرمانا کہ "ابوبکر اپنے کاموں کے نتائج سے تو قیامت کے دن ملاقی ہوگا۔ اللہ حاکم ہوگا اور محمدؐ ہمارے ضامن و کفیل ہوں گے۔ پس اے ابوبکر میری اور تیری وعدہ گاہ اب قیامت ہے قیامت کے دن باطل پرست گھاٹے میں رہیں گے۔ اور اس وقت کی ندامت تم کو کچھ فائدہ نہ پہنچائے گی۔ ہر امر کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم اس شخص کو معلوم کر لوگے جس پر عذاب نازل ہو کر اُسے رسوا کرے گا۔ اور اس کے لئے دائمی عذاب مقرر ہوگا۔

اسی طرح سیدہؑ نے انصار سے فریاد کی ہے۔ نصرت چاہی ہے مگر چونکہ حکومت نے ان لوگوں کی جمیت کو معطل کر دیا تھا۔ ورنہ عرب مظلوم عورتوں کے استغاثہ پر فوراً تیار ہوتے تھے لیکن حکومت کی سازش اتنی گہری اور موثر تھی کہ کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔

اسی طرح سیدہ طاہرہؑ نے حضرت ابوبکر کی بیان کردہ حدیث کو قول رسولؐ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ "تم لوگوں نے رسولؐ خدا پر جھوٹ باندھ کر اس ذریعہ سے دغابازی پر اجماع کر لیا ہے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد وہ حرکت ویسی ہی تھی جیسی آپؐ کی زندگی میں آپؐ کو ہلاک کرنے کے لئے کی جارہی تھی۔

الغرض جب ہم بغور اس خطبہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہزاروں بھیدوں سے پردے اٹھتے ہیں۔ لیکن یہ کام ہم قارئین کے سپرد کر کے اپنے بیان کی طرف لوٹ

آتے ہیں۔

ہم یہ پہلو بھی نشان کراتے ہیں کہ جس معمولی طریقہ سے حضرت ابوبکر نے اپنے خلاف دائر کردہ مقدمہ کا خود ہی فیصلہ کیا وہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہو سکتا ہے۔ عموماً مقدمات کا فیصلہ مقتدر صحابہ کی مشورت سے صحن مسجد میں عام کچہری میں ہوتا تھا لیکن اس مقدمہ کا فیصلہ انتہائی عجلت میں اکیلے ہی کر دینا دلچسپی سے خالی امر نہیں ہے۔

اگر بغیر تعصب مذہبی کے اور نگاہِ عدل و انصاف سے قضیۂ فدک کو دیکھا جائے تو معصومہ طاہرہ کا خطبہ اس واقعہ کا مرکز قرار پاتا ہے۔ اور اسے ابتدا سے انتہا تک یکساں اہمیت حاصل رہتی ہے۔ یہ خطبہ فیصلہ کے بعد مہاجرین و انصار کے جلسہ عام میں بیان ہوا ہے۔ اور یہ خطبہ ارباب حکومت کو ناگوار بھی گذرا کہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے شکایت بھی کی۔ لہٰذا ناظرین سے پھر التماس ہے اس خطبہ کو بار بار پڑھیں خصوصاً سیدہ نے جو بحث لاوارث حدیث "لا نورث" کے متعلق کی ہے بہت غور و فکر کا تقاضا کرتی ہے۔ اب ہم شہادت کو زیر نظر رکھتے ہوئے اپنی عمومی بحث شروع کرتے ہیں۔

اختیارِ سماعت

سب سے پہلے ہم سخت تعجب و حیرانگی سے یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کو اس مقدمہ کو سننے یا فیصلہ کرنے کا قطعاً اختیار حاصل نہ تھا کیونکہ مدعیہ کا دعویٰ خود نام نہاد منصف حضرت ابوبکر ہی کے خلاف تھا۔ یا زیادہ سے زیادہ لفظی ہیر پھیر کر لیجئے بنام سرکار تھا جس کے والی خود حضرت ابوبکر ہی تھے۔ حکومتی لحاظ سے اور ذاتی طور سے دونوں طرح فریق ثانی یعنی مدعا علیہ حضرت ابوبکر ہی تھے۔ دنیا کے کسی مہذب قانون میں، عقل و دانش کے کسی قاعدہ میں، انسانیت کے کسی ضابطہ

میں اور انصاف کی کسی کتاب میں مدعا علیہ کو یہ حق نہیں دیا گیا ہے کہ وہ خود ہی اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے بیٹھ جائے جو اس کے خلاف ہو۔

مسلمانوں کی مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت ابوبکر کو یہ چاہیئے تھا کہ وہ دیگر مقدمات کی طرح اس مقدمہ کو بھی دیگر صحابہ کے مشورہ سے کسی فرد عادل صحابی کو قاضی مقرر کر دیتے جو اس تنازعہ پر اپنا فیصلہ صادر کرتا۔ حضرت ابوبکر کے فیصلے کی حمایت کرنے والے حکومتی علماء کی نظر نصاب شہادت کے بارے میں تو فقہ اسلامیہ پر جم جاتی ہے کہ اولاد کی شہادت والدین کے لئے مفید نہیں لیکن مذہبی تعصب کی اندھی تقلید ان کو یہ بات دیکھنے سے مانع ہے کہ مدعا علیہ خود اپنے خلاف دعویٰ کا فیصلہ کر رہا ہے۔

اولاً تو یہ مقدمہ حضرت ابوبکر کے خلاف تھا اگر یہ کہا جائے کہ حکومت کے خلاف تھا تو بھی بحیثیت والی اس مقدمہ کا فیصلہ حضرت ابوبکر کو نہ کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اس کے خارج کر دینے ہی میں ان کا فائدہ تھا۔ حضرت ابوبکر نے کہنے کو تو کہہ دیا کہ فدک سے تمام مسلمانوں کو فائدہ ہونا چاہیئے لیکن دراصل انہوں نے فدک کو رسولؐ کی ذاتی ملکیت سمجھ کر اپنے تصرف میں لے لیا۔ لیکن کسی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فدک کی آمدن کو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا ہو۔

حضرت علیؑ کے دورِ حکومت میں آپ کی زرہ گم جاتی ہے تو یہ معاملہ قاضیِ شریح کی عدالت میں فیصلہ کروایا جاتا ہے۔ اور حاکم ہوتے ہوئے بھی جناب امیرؑ خود بطور مدعی کٹہرا عدالت میں تشریف لاتے ہیں لیکن اس انصاف کے کیا کہنے کہ مجرم ہی منصف کی کرسی پر اپنے حق میں فیصلہ کر لیتا ہے فافہم۔

پس مقدمہ فدک کے حکومتی فیصلے کے خلاف یہی ایک دلیل کافی ہے کہ مدعا علیہ نے اپنے خلاف خود ہی اپنے حق میں فیصلہ کر لیا جو کسی قانونی ضابطہ کے مطابق نہیں بلکہ خلافِ عدل و انصاف ہے۔

دعویٰ فاطمہؑ اور درجہ گواہان

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا دعویٰ صاف و صریح تھا۔ کہ ان کے والدؐ نے فدک ان کو ہبہ کر دیا ہے۔ خمس خیبر و اقطاع حوالی مدینہ میں انکا حقہ بطور وارث ہے کہ وہ ترکہ رسولؐ کی حقدار ہیں۔ پہلے انہوں نے گواہوں کے بغیر یہ دعویٰ کیا کیونکہ بظاہر ان کو یقین تھا کہ ان کی صداقت پر اعتبار کیا جائے گا مگر گواہ طلب کر لیے گئے۔ سیدہؑ نے اپنی صداقت کی شہادت کے لئے حضرت علیؑ، امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت ام ایمنؓ اور رباح کو بطور گواہ پیش کیا۔

اولاً تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے صدیقۃ العالمین حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بیان کو صحیح کیوں نہ سمجھا۔ کیونکہ مزید شہادت طلب کی محض مدعی یا مدعا علیہ کے بیان پر اگر عدالت کو یقین ہو جائے تو از روئے قانون ڈگری دی جاسکتی ہے۔ اصل مدعا تو عدالت کو دعویٰ کی سچائی کا یقین دلانا ہے ایک مدعی کے بیان سے ہو یا ایک گواہ یا کئی گواہوں سے۔ بعض اوقات سینکڑوں گواہوں کا بیان بھی وہ یقین نہیں پیدا کرتا لیکن ایک آدمی کا بیان سچا سمجھا جاتا ہے اور وہ یقین مطلوبہ پیدا کر دیتا ہے۔

فقہ اسلامی میں نصاب شہادت عام صورت حالات کے لئے مقرر کیا گیا ہے لیکن اس سے وہ صورتیں مستثنیٰ ہیں جن میں حاکم کو واقعات کا علم حقیقی ہو۔ مثلاً ایک جج کے سامنے ایک آدمی کو لوٹ لیا جاتا ہے اور کوئی وہاں موجود نہیں ہے کیا وہ جج جو عینی شاہد ہے لٹیرے کو سزا دیتے وقت اس آدمی سے گواہ طلب کرے گا جس کو اس کے سامنے لوٹا گیا ہے۔ اور اگر وہ کوئی گواہ پیش نہیں کرے گا تو کیا استغاثہ خارج کر دیا جائے گا۔ ہرگز ایسا نہیں ہے شہادت محض ذریعہ ہے مقصد

دراصل حقیقی علم ہے۔ اگر قاضی کو واقعہ کا صحیح علم ہے تو شہادت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر کو چاہیئے تھا کہ وہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کی سچائی پر یقین کر کے دعویٰ قبول کر لیتے۔

نہیں تو اپنی فقہ پر عامل رہتے کہ فقہ سُنیہ کا اصول ہے کہ ایک صحابی عادل کی گواہی کافی ہے۔ دیکھئے فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۹ ص ۱۴۲ اور عمدۃ القاری ج ۵ ص ۴۸۵۔ حضرت علی علیہ السلام بہرحال صحابی عادل تو ضرور ہی تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ نصاب شہادت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جب دعویٰ کی تردید کرنے والا کوئی دوسرا موجود ہو۔ اگر حضرت ابوبکر بالفرض محال مدعا علیہ نہ تھے بلکہ محض قاضی تھے تو اس صورت میں مدعیہ اور حاکم عدالت کے درمیان کوئی تیسرا مدعی نہیں ہوتا لہٰذا اب شہادت کے نصاب کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ صرف عادل منصف کو اپنی تسلی درکار ہے اور اس کے لئے صدیق اکبر علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور صدیقۃ الکبریٰ فاطمہ کا بیان کافی ہے۔

گواہوں کی شہادت پرکھنے کے لئے ہمیشہ ایک معیار ہوتا ہے۔ ان کے بیانات کی صداقت کے مختلف مدارج ہوتے ہیں آج کے دور میں بھی خیال کیا جاتا ہے کہ نیک تعلیم یافتہ دیندار متقی آدمی جھوٹ نہیں بولتا۔ لہٰذا ایسا اوقات مدعی ہی کے بیان پر ڈگری ہو جاتی ہے۔ جب گواہوں پر عدالتوں میں تنقید کی جاتی ہے تو ان کے مراتب و مدارج و اخلاقی حیثیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور بعض کے بارے میں گمان رکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ دار کے لئے کبھی غلط بیانی سے کام نہ لے گا۔ آج آپ کسی جماعت اسلامی سے وابستہ مسلمان کو یہ کہیں کہ مولانا مودودی نے کسی امر واقعہ پر جس کو وہ خود چشم دید بیان کرتے ہیں عمداً جھوٹ بولا ہے تو وہ شخص آپ کی گت بنانے تک آئے گا۔ لیکن حضرت ابوبکر کا خیال تھا کہ فاطمہ معاذ اللہ جھوٹ بول رہی ہیں۔ جھوٹ بھی معمولی نہیں بلکہ رسول صادق پر بہتان لگانے والا

جھوٹ۔ اس سے ظاہر ہے اللہ کا اہلِ بیتؑ کو نجاست سے دور رکھنے کا ارادہ بھی پورا نہ ہوا۔ رسولؐ نے عترت و قرآن کو دائمی ساتھی قرار دے کر غلطی فرمائی۔ اب یا ہم خدا و رسولؐ کو قابلِ اعتبار سمجھیں یا پھر گمانِ ابوبکر پر بھروسہ کریں کہ عترت رسولؐ بھی ایسے قبیح جھوٹ کی مرتکب ہو سکتی ہے۔

اگر بعض کے بقول حضرت ابوبکر خود مدعا علیہ نہ تھے تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ جس کو فریق ثانی سمجھتے تھے اس کو اس دعوٰی کی اطلاع دیتے۔ اگر ان کے خیال میں فدک پر تمام مسلمانوں کا حق تھا تو وہ اعلانِ عام کرواتے اور لوگوں کو دعوت دیتے۔ اگر ان کے خیال میں فدک پر تمام مسلمانوں کا حق تھا تو وہ اعلان عام کرواتے اور لوگوں کو دعوت دیتے۔ اگر وہ لوگ مدعیہ کے دعوٰی کو ہی تسلیم کر لیتے تو پھر کسی شہادت کی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہ آپ کی فقہ کے عین مطابق ہوتا۔ لیکن یہاں فقہ کون دیکھتا ہے مقصد تو کچھ اور تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یا تو حضرت ابوبکر اپنے تئیں ہی مدعا علیہ اور فریق مخالف سمجھتے تھے یا خوف زدہ تھے کہ اگر مسلمانوں کو اس کی اطلاع دی اور ان کو ایک فریق تصور کیا تو وہ سب کے سب مدعیہ کے دعوٰی کو تسلیم کر لیں گے۔

محض مدعی کے بیان کو کافی سمجھ کر اس کے مطابق فیصلہ کرنا خود حضرت ابوبکر کا بھی عمل تھا کہ انہوں نے محض زبانی بیان پر حضرت جابر بن عبداللہ کو بحرین کے مال خراج سے حسب خواہ ادا کر دیا۔

پھر یہ بھی مشہور کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایام حج میں منادی کرا دی کہ جس جس سے کوئی وعدہ رسولؐ نے کیا ہو وہ آکر محض بیان کر دے اور لوگ آتے اور بلا استشہاد صرف اپنے بیان پر اپنا مطالبہ وصول کر لیتے۔

اب ہم عالم اسلام سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ خدارا ایمان کا فیصلہ کرو موت برحق ہے۔ ہر ایک کو مرنا ہے اور اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ حق ہی کا بول بالا ہے۔ قبر میں تعصب ساتھ نہ دے گا۔ ضد و ہٹ دھرمی سزا سے نہ بچاتے

گی ۔ یہ دورخ کا عمل کیسا؟

ایک طرف رسولؐ کی لخت جگر جھوٹی، نفس رسولؐ جھوٹا، ریحان رسولؐ جھوٹے اور دوسری طرف عام صحابی کو حسب تقاضا ادا کیا جاتا ہے۔ کوئی گواہ نہیں طلب کیا جاتا۔ اس کا کیا سبب ہے؟ نور چشم رسولؐ کو اتنا حقیر و ذلیل کیوں سمجھا جاتا ہے ان پر اتنا ظلم کیوں ہوتا ہے۔ شاید نہیں محض اس لئے کہ ان کا شوہر اس حکومت کا مدعی حقیقی ہے۔ جس پر آپ نے غاصبانہ قبضہ جما لیا ہے۔ ورنہ شہادت کا تو صرف ایک لنگڑا عذر تھا۔

شہادت اور نصاب شہادت

المختصر شہادت پیش ہوتی ہے۔ اب اس شہادت پر غور کریں جو پیش ہوئی۔ اس مقدمہ کا پہلا گواہ وہ شخص ہے جس نے رسالت محمدیہ کی سب سے پہلے گواہی دی۔ جس کے بارے میں خدا کے رسولؐ نے شہادت دی کہ یہ جدھر پھر جاتا ہے حق اسی طرف پھر جاتا ہے۔ قرآن اور اس شاہد میں جدائی نہیں ہے بلکہ یہ بولتا ہوا قرآن ہے۔ پھر حسنین علیہما السلام نے گواہی دی جن کو رسولؐ اپنی رسالت اور اپنے خدا کی توحید کا گواہ بنا کر میدان مباہلہ میں لایا ہے۔ مگر اس شہادت کو مندرجہ ذیل تین وجوہات سے رد کر دیا گیا۔

۱۔ نصاب پورا نہیں۔

۲۔ اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قبول نہیں۔

۳۔ حضرات حسنین اور ام کلثوم کم عمر تھے۔

نصاب شہادت

ہم کہہ چکے کہ چونکہ مدعا کے علاوہ اور کوئی دعویدار موجود نہ تھا لہٰذا شہادت کی ضرورت ہی نہ تھی اس کے علاوہ نصاب شہادت معمولی مقدمات کے لئے ہے جب قاضی کے پاس صحیح واقعات معلوم کرنے

کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے لیکن جب حاکم عدالت کسی معاملہ سے بخوبی واقف ہو تو اسے نہ ہی شہادت کی ضرورت ہے اور نہ ہی نصاب کے پورا کرنے کی۔ اس مقدمہ میں حضرت علی، رباح، ام ایمن، ام کلثوم، حسن اور حسین شہادت میں پیش ہوئے۔ لیکن بعض نے عذر تراشا ہے کہ یہ گواہ ایک ہی ساتھ پیش نہ ہوئے، بلکہ الگ الگ آئے۔ لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ حضرت علیؑ اور اُم ایمن ایک ہی وقت پر بطور گواہ پیش ہوئے۔ اور اصولی طور پر نصاب شہادت اسی وقت پورا ہو گیا کیونکہ علیؑ ایک مرد اور اُم ایمن اور خود سیدہ طاہرہ دو عورتیں ہوئیں لہٰذا نصاب تو پورا ہوا اب یہ اعتراض بھی نہیں کیا جا سکتا کہ مدعی خود گواہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ یہ شکل اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کوئی دوسرا دعویدار موجود ہو۔ یہاں تو کوئی ایسا فریق ہی نہیں ہے جو تردید کرتا ہو۔ اگر کوئی ایسا شخص موجود ہوتا جو یہ کہتا کہ میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ جناب رسول خداؐ نے فدک اپنی بیٹی فاطمہؑ کو ہبہ نہیں کیا تو پھر مدعیہ کا بیان اور مدعا علیہ کا انکار ایک دوسرے کو رد کر دیتے اب ایسی صورت میں نصاب شہادت طلب کیا جا سکتا تھا۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی اور ہے حضرت ابوبکر خود کو حاکم تصور کئے ہوئے ہیں اور حاکمانہ ذہنیت سے ایک جانی پہچانی حقیقت سے انجان بن بیٹھے ہیں اور بلا اختیار و جواز گواہ طلب کر رہے ہیں سیدھی سی بات ہے جب دعویٰ کی تردید نہیں اور مدعیہ کے بیان کے برخلاف اور کوئی دوسرا بیان نہیں ہے تو پھر کیوں کر مدعیہ کو بطور گواہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کی گواہی کو ملا کر بھی شہادت کا نصاب پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی وجہ ضروری نہیں ہے کہ نابالغ شخص اگر صاحب عقل و تمیز ہے تو اس کی گواہی کو قبول نہ کیا جائے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰؑ نے گہوارہ میں گواہی دی قرآن مجید ملاحظہ فرمالیں۔ اور حضورؐ نے میدان مباہلہ میں ان ہی نابالغ بچوں کو گواہ بنایا۔

اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہیں ہے

یہ قانون بھی الزکھا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس کی رُو سے اولاد کی

شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہ ہو۔ بلکہ عصمت و پاکبازی کی شہادت اپنی والدہ معظمہ حضرت مریم بتول سلام اللہ علیہا کے حق میں اُن کے نابالغ فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں دی۔

اہل جماعت حکومت نے اپنے حکام سقیفہ کے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی خاطر اسلامی احکامات کو مسخ کر دیا۔ اور حقیقی فقہ کو محض اپنی ذاتی و مادی منفعت کے لئے توڑ مروڑ لیا۔ انہی مذموم کوششوں میں سے ایک یہ بھی کلیہ وضع کر لیا گیا کہ قریبی رشتہ داروں کی گواہی کو نا قابل اعتبار سمجھا جائے تا کہ غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقعہ مل سکے کہ مسلمان ایسے بے اعتبار ہوتے ہیں کہ اُن کا بیان ان کے قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھی قابل قبول نہیں ہوتا ہے۔ وقتی مصلحت کے تحت یہ اصول تو گھڑ لیا گیا مگر بہت جلدی اس کے عمل سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ حضرت ابو بکر کی شان کی اکثر احادیث بی بی عائشہ سے مروی ہیں لیکن وہاں بیٹی کی گواہی کو باپ کے حق میں قبول کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح عبداللہ ابن عمر کی اپنے باپ حضرت عمر بن خطاب کے حق میں بیان کردہ تمام باتیں قبول ہیں مگر اولاد رسولؐ کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ آج بین الاقوامی قانون کو دیکھو کہ انہوں نے فطرت انسانی کو یہ درجہ دیا ہے کہ نہ صرف اولاد کی اپنے والدین کے حق میں گواہی قبول کی جاتی ہے بلکہ خود نیک نام مدعی کا اپنا بیان بھی داخل شہادت ہو سکتا ہے۔ یہی وہ کمزوری ہے جس نے اسلام کے نظام کو فرسودہ اور ناکافی بنا کر رکھ دیا ہے۔ ورنہ حقیقی اسلام میں ایسے خرافات کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ محض اندھی عقیدت اور اپنے بزرگوں کی ناجائز حمایت ہی کا نتیجہ ہے کہ جمہور کے تحفظ کی خاطر دین پر اعتراض کا خطرہ مول لیا جاتا ہے۔ الغرض اسلام کے سچے و عالمگیر قوانین میں یہ غیر فطری قانون ہرگز موجود نہیں ہے کہ اولاد اپنے والدین کی گواہی نہیں دے سکتی۔ یہ صریحاً کتاب خدا کے خلاف ہے۔

حضرات حسنین ۱۴ اور اُم کلثوم کم عمر تھے۔

کسی گواہ کا کم عمر ہونا کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ مانع شہادت ہو۔ جب کہ وہ عقل و تمیز بھی رکھتا ہو۔ اس کی

واضح مثال ہم نے جناب عیسیٰ کی قرآنی شہادت سے پہلے ہی نقل کر دی ہے۔ عام حالات میں بھی بچوں کو معصوم کہا جاتا ہے اور ان کی بات کو اکثر قابلِ یقین سمجھا جاتا ہے کہ صغیر سن بلا خوف و خطر سچی بات کہہ دیتے ہیں۔ جس طرح امام حسنؑ نے حضرت ابوبکر کو منبرِ رسولؐ پر بیٹھے دیکھ کر فرمادیا تھا کہ میرے بابا کے منبر سے نیچے اترا اور اسی طرح امام حسینؑ نے حضرت عمر سے فرمایا تھا کہ میرے بابا کے منبر سے نیچے اتر آ۔

پس دعویٰ سیدہؑ میں نہ ہی شہادت نامکمل تھی اور نہ ہی اس کا نصاب ادھورا تھا لیکن درحقیقت حکومت کا ارادہ یہی تھا کہ آلِ محمدؐ کو مالی لحاظ سے ضعیف رکھا جائے اور ان کو اس قدر دبا دیا جائے کہ وہ اپنے حق حکومت کی طرف نگاہ بھی بلند نہ کر سکیں اور دعویٰ استحقاق خلافت کو زبان پر نہ لا سکیں۔ اس بات کا مزید ثبوت حکومت کے اس عمل سے بھی حاصل ہوتا ہے کہ دیگر لوگوں سے ہبہ شدہ جاگیریں واپس نہ لی گئیں۔

دیگر افراد سے ہبہ شدہ املاک واپس نہ لی گئیں۔

ہم بیان صدر میں بتا چکے ہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خاص ملکیت میں سے کچھ دیگر افراد کو بھی اراضیات ہبہ کی تھیں اور جائداد عطا فرمائی تھی ان میں خود حضرت ابوبکر، حضرت زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابو دجانہ وغیرہم کے بارے میں روایات حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن تعجب خیز امر ہے کہ حاکم وقت حضرت ابوبکر نے کسی بھی شخص سے یہ زمینیں واپس نہ لیں مگر صرف سیدہ طاہرہؑ کی املاک پر قبضہ کر لیا اور ان کو بے دخل کیا گیا۔

اگر حکومت کا عمل نیک نیتی پر محمول تھا تو پھر یہاں بھی مساوات و یکسانیت کا مظاہرہ درکار ہوگا۔

اگر حضرت ابوبکر بزعم خود جانشین رسولؐ تھے تو بھی ان کو چاہیے تھا کہ صرف ان چیزوں کو اپنی نگرانی میں لیتے جو حضورؐ کے پاس بحیثیت بادشاہ حاکم و والی کے تھیں۔ جبکہ فدک آنحضرتؐ کے قبضہ میں نہ تھا بلکہ حضرت فاطمہؑ کے زیرِ تصرف تھا حضرت

فاطمہؑ کو بے دخل کرنے سے قبل اصولی طور پر حضرت ابوبکر کو پہلے دعویٰ کرنا چاہئے
تھا اور اگر وہ سچا ثابت ہو جاتے تو ان کا قبضہ جائز متصور ہوتا۔ بلا دعویٰ اور بغیر ثبوت
کسی دوسرے کی مقبوضہ زمین پر قبضہ کر لینا حکومت الٰہیہ کی شان ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔

ہبہ سے انکار بلا جواز تھا

ہبہ سے انکار کر دینا حضرت ابوبکر کے لیے جائز ہی نہ تھا۔ کیونکہ اس سے تو وارثین کا باہمی تعلق
تھا۔ مثلاً یہ کہ ایک شخص فوت ہو جاتا ہے اس کے کئی ورثاء ہیں۔ ان میں سے ایک
وارث دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں مکان متوفی نے مجھے ہبہ کر دیا تھا تو اس کا اثر صرف
ورثاء پر پڑتا ہے۔ کسی غیر وارث شخص پر نہیں۔ اب جب کہ آنحضرتؐ کے ورثاء میں سے
کسی ایک نے بھی دعویٰ فاطمہؑ کی تردید نہیں کی تو اب حضرت ابوبکر کو شہادت طلب کرنے
کی کیا ضرورت تھی۔ زیادہ سے زیادہ وہ تحقیقات کے لیے دیگر ورثاء سے پوچھ سکتے تھے
اور اگر وہ دعویٰ سیدہ مان لیتے تو معاملہ خود بخود ختم تھا۔

اگر کہا جائے کہ حضرت ابوبکر بھی بحیثیت جانشین رسولؐ حضورؐ کے ایک وارث
تھے تو ہم کہتے ہیں تو ایسی صورت میں وہ تاج و تخت حکومت کے وارث مفروض
ہوں گے۔ اور یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ زمانہ رسولؐ اور اس کے بعد کے دور تک
حکومت کی اپنی ملکیت کی کوئی اراضی یا جائداد نہ تھی۔ جیسا کہ خیبر کی زمینیں آنحضرتؐ
نے اسی وقت لوگوں میں تقسیم کر دی تھیں۔ اور کوئی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد حکومت
کی تحویل میں نہ تھی۔ کیونکہ ابھی تک "حکومتی ملکیت" کا تصور اسلامی فقہ میں پیدا نہیں
ہوا تھا۔ جو چیز حکومت کے قبضہ میں آتی تھی بلا تاخیر مستحقین میں بانٹ دی جایا کرتے
تھی۔ تنخواہ دار مجاہدین ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ تمام قوم مجاہدین کا ایک لشکر تھی۔
ہر ایک اہل فرد پر جہاد مذہباً فرض تھا۔ جب منادی ہوتی تھی سب جمع ہو کر اللہ کی
راہ میں جہاد پر کمربستہ ہو جاتے تھے۔ بیت المال کا وجود ہی نہ تھا۔ تنخواہ دار فوج تو
زمانہ عمر میں بنائی گئی اور پھر حکومت کو اپنی ذاتی ملکیت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا لیکن

اس وقت میں بھی اراضیات حکومت کی ملکیت میں نہیں لی جاتی تھیں۔ المختصر کم سے کم حضورؐ کے دور میں تو یہ بات متفقہ ہے کہ حکومت کی کوئی جائیداد نہیں تھی جس کے وارث بحیثیت حاکم حضرت ابوبکر ہو جاتے۔ حضرت ابوبکر کا حدیث لا نورث پیش کرنا از خود ایک ثبوت ہے کہ حضرت صاحب نے جائداد متنازعہ کو حضورؐ کی ذاتی ملکیت تو مان لیا صرف یہ عذر پیش کیا کہ ورثہ کے قانون میں نہیں آتی۔ اگر حضورؐ عام بشر ہوتے اور نعوذ باللہ پیغمبر نہ ہوتے تو یہ اراضیات ان کے ورثہ میں تقسیم ہو جاتیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ جائیداد حکومت کی ملکیت نہ تھی اور حضرت ابوبکر اس کے وارث نہ تھے۔

ایک جواب طلب سوال

حضرت ابوبکر کے فیصلہ کا کوئی حامی اس سوال کا جواب دے سکے گا کہ حضرت صاحب کی بیان کردہ حدیث لا نورث کی رُو سے جب یہ جائیداد متنازعہ صدقہ قرار پائی تو پھر حضرت ابوبکر نے دیگر صدقات کی طرح اسے مسلمانوں میں تقسیم کیوں نہ کر دیا اور کس جواز سے اُسے اپنی خاص ملک و تحویل میں رکھا۔

نیز یہ بھی بتا دیا جائے کہ اس مقدمہ میں بارِ ثبوت کس فریق کے ذمہ تھا اور شہادت کس کو پیش کرنا چاہیے تھی۔ کیونکہ جائداد زیر بحث سیدۂ طاہرہ کے قبضہ میں تھی اور قبضہ از خود دلیل ملکیت ہوتا ہے حضرت ابوبکر نے بزور طاقت باثر حکومت حضرت خاتونِ قیامت کو بے دخل کیا لہٰذا اس بے دخلی کو امر حق ثابت کرنے کے لئے جناب ابوبکر کے پاس کیا دلیل تھی۔

جب جائیداد موہوبہ پر ناجائز قبضہ کیا جاتا ہے تو سیدۂ بطور احتجاج دعویٰ فرماتی ہیں۔ جاگیر فدک ملک رسولؐ تسلیم شدہ ہے۔ قرآنی قانون وراثت سیدہؑ کے حق میں ہے۔ اس قرآنی فیصلہ کے خلاف حضرت ابوبکر ایک ایسی حدیث پیش کرتے

ہیں جس کی صحت کو مدعیہ تسلیم نہیں کرتی ہیں صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث کو قول رسولؐ ثابت کرنا حضرت ابوبکرؓ کے ذمہ ہے اس لئے کہ مقدمات کے صحیح فیصلہ کے لئے بارِ ثبوت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

لاوارث حدیث

میراث کے دعوے کی تردید میں حضرت ابوبکرؓ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف منسوب کرکے ایسی حدیث سنائی جس کو کسی اور نے حضورؐ سے نہیں سنا تھا۔ ازروئے انصاف اس حدیث کو صحیح ثابت کرنا جناب ابوبکرؓ کے ذمہ ہوتا ہے کیونکہ یہاں نصاب شہادت پورا نہیں ہوتا ہے۔ سوائے جناب عمرؓ اور بی بی عائشہؓ کے اس حدیث کا کوئی دوسرا گواہ موجود نہیں ہے۔ ہاں زرِ حکومت صرف کرنے کے خرید کردہ گواہ پیدا ہو سکتے تھے مگر ایسا بھی نہ ہو سکا۔ یہ ایسی اَن سنی حدیث تھی کہ ازواج رسولؐ اور حضرت عثمان تک اس سے ناواقف تھے کہ انہوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا اور ازواج نے حضرت عثمان کو میراث کا مطالبہ دے کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا۔

کسی حدیث کی جانچ پڑتال کے لئے علماء نے چند قواعد و ضابطے مقرر کئے ہیں ان میں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) حدیث عقلی و فطری لحاظ سے معقول ہے یا نہیں ؟

(۲) حدیث قرآن حکیم کے حکم کے خلاف تو نہیں ؟

(۳) کیا اس حدیث کی تائید میں کوئی اور بھی ملتی جلتی حدیث ہے۔

(۴) اس حدیث کے راویوں کا اقتدار کیسا ہے۔ اس کے راوی کون ہیں اور ان کا کردار کیسا ہے؟ ان کی ثقاہت کس پایہ کی ہے؟ عقیدہ کیا ہے کہ کیا راوی کو غلط بیانی کے لئے کوئی ترغیب تو نہ تھی؟

(۵) راویوں کی تعداد کتنی ہے۔

(۶) اس حدیث کے بیان ہونے کا موقعہ و محل کیا تھا۔

چنانچہ آئیے اب ہم حضرت ابوبکر کی بیان کردہ حدیث کو ہر ایک بیان کردہ قاعدہ کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔

مبینہ حدیث خلافِ عقل ہے زیر بحث حدیث یہ ہے کہ:

"نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث ما ترکنا ہ صدقۃ" (یعنی ہم گروہ انبیاء نہ کسی سے میراث لیتے ہیں اور نہ ہم سے کوئی میراث پاتا ہے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے)۔

اب ہم عقلاً یہ پہلو زیر غور لاتے ہیں کہ پیغمبر جو شریعت کے احکام لاتے ہیں وہ احکامات ان پر حاوی ہوتے ہیں یا نہیں۔ پیغمبر خود اپنی شریعت پر عمل کرتے ہیں کہ اوروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت کی مثال کے مطابق اُن پر صرف پیغام و احکامات اُمت تک پہنچا دینا ہی کافی ہے اور عمل ان کے لئے ساقط ہے۔ اگر ایسا ہے تو صریحاً خلافِ عقل ہے کہ امت کو حکم دے کہ چوری نہ کرو، زنا سے بچو، جھوٹ نہ بولو، شراب نوشی ترک کردو، لیکن خود چوری بھی کرے، زنا بھی کرے، جھوٹ سے بھی پرہیز نہ کرے اور شراب و کباب کی محفل بھی سجائے۔ لوگوں کو نماز و روزہ کی تلقین کرے لیکن خود نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے۔ کیا ایسا شخص عالم انسانیت کو ہادی قبول ہوگا؟ ہرگز نہیں انسانیت ایسے پیغمبرؐ کی ضرورت مند ہے جس کا عمل اسکی شریعت کی مکمل تشریح ہو۔ اور یقیناً آخر الزماں رسولؐ بھی اپنی شریعت پر عامل کامل تھے۔ اور ساری شرع پر حضورؐ نے بذات خود عمل فرمایا پھر آخر حکم ترکہ میں حضورؐ کا عمل خلاف شریعت کیوں ہوا؟ سارے نبیوں کو تو حکومت حاصل نہیں تھی نہ ہی سب انبیاءؑ کے پاس جاگیریں تھیں۔ کیا ایسے انبیاءؑ کی رحلت کے بعد اُن کا ساز و سامان امت میں تقسیم ہو جایا کرتا تھا اور نبی کے ورثا اُمت کے رحم و کرم پر چھوڑ دئے جاتے تھے نہیں

تو حالات انبیاء میں ایسی کوئی ایک بھی مثال نہیں مل سکتی ہے۔ اگر یہ خدائی قانون ہوتا تو حضرت سلیمانؑ اپنے والد حضرت داؤد کے بعد بادشاہ کی بجائے فقیر ہوتے۔ پیغمبروں کی اولاد کو اس طرح محروم رکھنا صریحاً ظلم ہے۔ آخر پیغمبر کے بھی اہل وعیال ہوتے ہیں انہوں نے خدا کا کیا بگاڑا ہے کہ ایک جائز حق سے اُن کو مستفید ہونے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔

اس حدیث کا نتیجہ کس قدر افسوسناک ہے کہ پیغمبر کے گذر جانے کے بعد اس کے مال ومتاع کی تو اُمت مالک ہو جائے مگر اُمت پر یہ فرض نہیں کہ بعد از رسول اس کے اہل وعیال کی پرورش کرے۔ پیغمبر کو یہ تو اجازت ہے کہ شادیاں کر کے اولاد پیدا کرے لونڈیاں رکھ لے۔ عورتوں سے بچے جنم لیں کچھ بچے صغیر السن اور کچھ قریب بلوغت ہیں اور اگر اس نبی کی وفات ہو جائے تو اُمت اس کا گھر بار لوٹ کرلے جائے اور اس کے بیوی بچے سڑک پر اپنی حالت زار کا ماتم کرنا شروع کر دیں۔

یہ بے ہودہ کارستانی بھی محض تذلیل آلِ رسولؐ کے لئے اختراع کی گئی۔ اگر یہ حدیث درست ہوتی تو کم سے کم حقیقی وارثانِ رسولؐ کو اس کا علم ضرور ہوتا۔ حضورؐ پر لازم تھا کہ سب سے پہلے یہ حکم وہ اپنے وارثوں کو سناتے۔ اسی پریشانی کے عالم میں اہل حکومت کے ایک وکیل کو اعتراف کرنا پڑا کہ فاطمہ زہراؑ کا قضیہ مشکل ترین ہے کہ اگر کہا جائے حضرت سیدہ اس سے ناواقف تھیں جو ابوبکر نے حدیث سنائی تو یہ سیدہؑ سے بعید ہے۔ اور یہ خیال کر لیا جائے کہ انہوں نے سُنی نہ تھی مگر جب ابوبکر نے بیان کی تو آپ نے اس کو قبول نہ کیا اور غضبناک ہو گئیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ غضب اس حدیث کے سننے سے پہلے تھا تو پھر یہ مشکل ہے کہ سیدہ تا دم وفات ابوبکر سے غضبناک کیوں رہیں؟ ملاحظہ کریں

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۴۵۱۔

حدیث معارض قرآن ہے

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ "اللہ تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں ہدایت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔"
(دیکھیے سورۂ نساء ع۲ آیت ۱۱ پارہ نمبر ۴)

اسی طرح ملاحظہ فرمائیں۔ "اور سلیمان نے حضرت داؤدؑ کا ورثہ پایا۔"
(سورۂ نمل رکوع ۲ آیت ۱۶ پ ۱۹)

اور قرآن میں تحریر ہے کہ "حضرت زکریاؑ نے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح مناجات کی کہ میں اپنے وارثان بازگشت سے اندیشہ رکھتا ہوں جو میرے مرنے کے بعد میرے پیچھے رہیں گے۔ میری بیوی بانجھ ہے۔ خداوندا اپنی درگاہ سے مجھے وارث عطا کر جو میرا اور آلِ یعقوب کا ورثہ پائے۔" (سورۂ مریم رکوع ۱ آیت ۸ پ ۱۶)

حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے پہلے انبیاءؑ ورثہ پاتے آئے ہیں۔ اور ان کے ترکہ سے ان کے وارثوں کو حصہ ملا ہے۔ خود حضور اکرمؐ نے اپنے والد محترم کا ترکہ ورثہ میں حاصل کیا۔ جیسا کہ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی نے اپنی سیرۃ النبی کی جلد اوّل صـ۱۲۲ پر حضورؐ کا اپنے والد کا ترکہ ورثہ میں پانا لکھا ہے۔ کئی پیغمبروں کا ذکر تو قرآن میں ہے۔ جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا کہ حضرت داؤدؑ کا ورثہ حضرت سلیمانؑ نے پایا۔ حضرت زکریاؑ نے وارث بارگاہِ خداوندی سے طلب فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ اس ورثہ سے مراد مال و دولت کا ترکہ ہی تھا علم و نبوت اس سے مراد نہیں ہو سکتے ہیں۔ اگر علم و نبوت مراد ہوتے تو حضرت زکریاؑ کا خوف بے جا ہوگا۔ کیونکہ ان کے رشتہ دار وارثین و اقرباء زبردستی علم نبوت نہیں چھین سکتے تھے۔ کیونکہ علم لدنی تو عطائے ربانی ہوتا ہے۔ جس کو اللہ چاہے عطا کر دے اس میں رسولؐ لئے ہے اور نہ ہی اس کا اولاد میں منحصر ہونا ضروری ہوتا

ایسے مواقع جن پر اس حدیث کا اظہار وقتی تقاضا تھا ایسی حدیث سے خالی نظر
آتے ہیں تو پھر یہ بتانا اشد ضروری ہے کہ کس ناموزوں و ناگہانی ساعت میں
اس حدیث کو حضورؐ نے اپنے وارثوں کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر سے سرگوشی فرمائی
یہی وجہ ہے سیدہ ذکیہؑ نے دوران بحث فریق مخالف کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ
اس کی عقل گم ہو گئی۔ اور عجلت میں یہ بات کہہ دی گئی۔ نہ کوئی تفصیل سوجھی اور
نہ تشریح سیاق و سباق یاد رہی۔ اگر کوئی محل بیان ہوتا تو ضرور ظاہر کیا جاتا۔

مدعا علیہ کے تین عذر

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے اس دعویٰ کی تردید میں حضرت ابوبکر
نے صرف تین عذر تراشے۔ اوّل یہ کہ دعوائے ہبہ کی شہادت ناکافی ہے۔ دوم
یہ کہ نبی کی اولاد ترکہ سے محروم ہوتی ہے اور تیسرے یہ کہ میں اس طریقے کو جو زمانۂ
رسولؐ میں رائج تھا۔ بدلنا نہیں چاہتا۔

باقی اعتراضات حضرت ابوبکر کے بعد ان کے وکلا نے وضع کئے ہیں کہ اولاد
کی شہادت اپنے والدین کے حق میں ناقابل قبول ہوتی ہے یا شوہر بیوی کا گواہ
نہیں ہو سکتا یا کمسن کی گواہی قابل اعتبار نہیں وغیرہ وغیرہ، عبوری طور پر ہم نے
ان عذرات کا جواب پہلے تحریر کر دیا ہے۔ البتہ حضرت ابوبکر کے تیسرے عذر پر جو بجائے
خود پہلے عذرات کے تحت ہی ہے، کچھ اظہار خیال کرنا ہے۔

چنانچہ عرض یہ ہے کہ اگر ہبہ ثابت ہے اور اولاد پیغمبر محروم الارث
نہیں ہے تو پھر حضرت ابوبکر کو ان اراضیات و صدقات پر کوئی دسترس حاصل
نہیں نہ وہ اس کا انتظام کرنے کے مجاز ہیں۔ لہٰذا طریقہ رسولؐ کے بدلنے یا نہ
بدلنے کا سوال حضرت ابوبکر کے لئے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر ہم اس عذر کو
دیگر عذرات سے جدا کر کے دیکھیں تب بھی حکومت کو کسی قسم کا کوئی فائدہ

نہیں پہنچتا کیونکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ہبہ فدک کے بعد رسول مقبولؐ نے فدک کی آمدنی میں تصرف فرمایا ہو۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند صدقات میں سے جب کچھ بچ رہتا تھا تو حضورؐ بنی ہاشم کے غربا و مساکین میں بانٹ دیتے تھے۔ فدک کے علاوہ دیگر ذرائع آمدنی بھی آنحضرتؐ کے پاس تھے۔ غرباء و مساکین و مسافروں کی پرورش ان دیگر ذرائع سے کی جاتی تھی۔ دیگر صدقات کا دعویٰ بذریعہ میراث کے تھا۔ جب تک حضورؐ خود زندہ تھے ان کو حق تھا کہ وہ ان میں سے اپنی اولاد و خویش و اقربا کو بھی دیں۔ اور تقسیم بھی فرمائیں جس طرح آپ مناسب سمجھیں خرچ کریں۔ موت کے بعد تصرف ورثاء کا ہوتا ہے۔ حکومت کو یہ اختیار نہیں ہوتا ہے کہ متوفی کی جائداد کو ضبط کر کے اپنے تصرف میں لے اور یہ جو حضرت ابوبکر نے کہا کہ میرے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ جناب رسول اللہؐ کے طرز عمل کو بدلوں تو یہ محض دفع الوقتی کے لئے تھا۔ یہ ارشاد واقعیت سے بالکل معرا تھا۔ حضرت ابوبکر کے اعتقاد کے بموجب تو آنحضرتؐ کا طرز عمل خلافت کے متعلق یہ تھا کہ اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا پھر حضرت ابوبکر نے وہ طریقہ بدل کر حضرت عمر کو نامزد کیوں کر دیا۔ خمس کو لیجئے حضورؐ خمس کو بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب میں تقسیم کرتے تھے اور بنو عبدشمس و بنو نوفل کو مطلق حصہ نہ دیتے تھے۔ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر نے خمس تقسیم کر کے ہر زید و بکر و عمر کو دیا۔ مگر آل رسولؐ کو نہ دیا۔ ملاحظہ کریں مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۸۳

اسی طرح مولوی شبلی نعمانی اعتراف کرتے ہیں کہ:

"احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ ذوی القربیٰ میں سے آپؐ صرف بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نوفل و بنو عبدشمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے۔ لیکن آپ نے ان کو باوجود

طلب کرنے کے بھی کچھ نہ دیا۔" (الفاروق حصہ دوئم ص۲۷۲)

لیکن حضرت ابوبکر نے حضورؐ کے عمل کے خلاف کیا اور آلِ رسولؐ کو اس کے حق سے محروم رکھا۔ حضور علیہ السلام کا عمل یہ تھا کہ عام قاعدہ کے خلاف ابوالعاص شوہر زینب کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا۔ مسلمانوں سے اجازت لے لی کہ فدیہ میں تمہارا حصہ ہوتا ہے لیکن اگر کہو تو یہ ہار واپس کر دوں۔ لوگوں نے آمادگی کا اظہار کیا۔ آپؐ نے ہار واپس بھیج دیا۔ اگر حضرت ابوبکر فدک کو مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے تو دختر رسولؐ کی دلجوئی میں حضورؐ کے اس طرزِ عمل کی پیروی کیوں نہ کی۔ پھر بھی صاحبِ اختیار تھے اور اگر وہ بنتِ نبیؐ کی خوشنودی کے لئے یہ جائیداد اُن کو دے دیتے تو کوئی آئینی یا اخلاقی ضعف نہ تھا جبکہ روایات سے پوری طرح ثابت ہے کہ زمانہ رسولؐ میں فدک کی آمدنی آلِ محمدؐ حاصل کرتے تھے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ فدک کے معاملہ میں فیصلہ صادر کرتے وقت ایسی کئی باتیں سرزد ہو گئیں جو عملِ رسولؐ کے خلاف تھیں۔ نصابِ شہادت پر اصرار کرنا بھی ایسی ہی ایک کڑی تھی ورنہ اپنے فقہ کے اصول کے مطابق تو بات یہ تھی کہ ہر صحابی عادل ہوتا ہے۔ اور ایک صحابی عادل کی شہادت کافی سمجھی جا سکتی ہے۔

اگر یہ حدیث صحیح تھی تو پھر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے مکانات کیوں واپس نہ لئے گئے جو اُن کو آنحضرتؐ کی وراثت سے ملے تھے۔ اور یہ معاملہ طے شدہ ہے کہ یہ مکانات حضورؐ کی ملک تھے۔ اور ازواج کو ورثہ رسولؐ سے پہنچے تھے۔ ملاحظہ کریں وفا الوفا باخبار دار المصطفٰی الجزء الاوّل باب۴ فصل التاسع ص۳۲۵۔ اگر کہا جائے کہ مکانات ازواج کی تحویل و قبضہ میں تھے تو ہم یہ پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں فدک سیّدہ کے قبضہ میں تھا۔

حضرات ابوبکر، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہم کو جو اراضیات رسولؐ

نے ہبہ کی تھیں نہ ہی ان کو واپس طلب کیا گیا۔ اور نہ ہی کوئی گواہی ثبوت ہبہ میں مانگی گئی۔ جب سیدہؑ نے احتجاج کیا اور حضرت ابوبکر کے فیصلے کو غلط مبنی بر ظلم و کذب سمجھا اور حضرت سلیمانؑ کے ورثہ والی قرآنی آیت اور حضرت زکریاؑ کی مناجات تلاوت فرمائی تو حضرت ابوبکر اس کا کوئی جواب نہ دے سکے حضرت علیؑ نے جواب طلب کرنے پر بھی خاموشی اختیار کر لی۔ سیدہ مظلومہؑ اتنی غضبناک ہو گئیں کہ تادم حیات مدعا علیہ سے کلام نہ فرمایا۔ صاف کہہ دیا کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے۔ میں اپنے والد بزرگوار سے تمہاری شکایت کروں گی۔ بعد میں حضرات شیخین معذرت طلبی کے لیئے گھر پر بھی آئے سیدہؑ نے منہ پھیر لیا اور کہا کہ میں ہر نماز میں تمہارے لئے بددعا کروں گی۔ اب جو لوگ محمد مصطفےٰؐ کو رسول حقیقی اعتقاد کرتے ہیں آپ کے اقوال کو سچا مانتے ہیں اُن سے دست بستہ گذارش ہے کہ وہ طرز ابوبکر اور طرز رسولؐ کے اعمال کو ملاحظہ فرمائیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے مجھے ناراض کیا وہ خدا کے غضب کا مستوجب قرار پایا۔" الامامت والسیاست" اور صحیح بخاری دیکھ کر فیصلہ کریں میرے خیال میں تو صحیح مومن ضرور حضرت ابوبکر کے اس فعل سے لرزہ براندام ہو جائیں گے۔

ابن حجر مکیؒ کی بحث کا جواب

علامہ اہل سنت ابن حجر مکیؒ کا حمایتی بیان ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔ ان کی اور دیگر علمائے اہل حکومت کی وکالت میں زید بن حسن بن علی بن الحسین کی رائے کو پیش کیا گیا ہے کہ اگر ان کے سامنے یہ قضیہ پیش ہوتا تو وہ بھی یہی فیصلہ دیتے۔ اولاً تو یہ روایت ثابت نہیں ہے کہ اس کے رواۃ کا حال معدوم

ہے۔ علاوہ بریں یہ کہ جب اس فیصلے کی مذمت حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت امام حسنؑ، اور حضرت امام حسینؑ کر چکے ہیں تو دو سو سال بعد آنے والا شخص اگر اپنی سیاسی رائے پیش کرے گا تو اس کا کوئی پایہ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ تو ان کی ذاتی رائے قرار پائے گی۔ اس سے زیادہ تو عباسی خلیفہ مامون کا فعل قابلِ لحاظ ہو گا کہ اس نے تمام علماء کی بحث سننے کے بعد اپنی رائے قائم کی تھی۔ اور اپنے فرمان میں حضرت ابوبکر کے فیصلے کی غلطی نہایت صحیح استدلال کے ذریعے سے ثابت کی تھی۔ اور اس کو اپنی رائے پر ایسا یقین تھا کہ اس نے فدک اولادِ فاطمہؑ کو واپس کر دیا۔ حالانکہ سیاسی لحاظ سے اس کا یہ فعل اس کے ذاتی مفاد کے بھی خلاف تھا۔ اس پر اس کا غلام قابض تھا اور فدک خلیفوں کی ذاتی ملکیت ہو گئی تھی۔

مامون الرشید کا فرمان

مامون الرشید عباسی خلیفہ کو مذہبی مباحثے اور تاریخی مسائل پر گفتگو کرنے اور سننے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اسی شوق و ذوق سے اس نے مقدمہ فدک کے فیصلے کا بھی مطالعہ کیا اور فریقین کے مباحثے اور مناظرے سنے۔ آخر کار تحقیق سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت ابوبکر کا فیصلہ غلط تھا۔ فدک وغیرہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو عطا کر دیا تھا۔ اور ان ہی کا حق تھا۔ چنانچہ اس نے ایک شاہی فرمان جاری کیا کہ فدک اولاد فاطمہؑ کو واپس کر دیا جائے۔ یہ فرمان ذی قعدہ ۲۱۰ھ کی دو تاریخ کو جاری ہوا اور علامہ بلاذری اس کی نقل اس طرح کرتے ہیں۔

"جب ۲۱۰ھ ہوا تو امیر المومنین مامون عبداللہ ابن ہارون الرشید نے حکم دیا کہ فدک اولادِ فاطمہ کو دے دیا جائے۔ یہ حکم نامہ اس نے اپنے گورنر

مدینہ قثم بن جعفر کو لکھا۔ اس کے بعد کہا کہ امیرالمومنین کا اپنی حیثیت کے
بموجب جو اسے دینِ الٰہیہ میں حاصل ہے اور بطور خلیفہ و جانشین و قرابتدار
رسول اللہ کے یہ فرض ہے کہ جناب رسول خدا کے طریقہ پر عمل کرے۔ اور ان
کے احکام کو جاری کرے۔ اور جو شے یا صدقہ رسول اللہ نے کسی کو عطا کیا ہے
امیرالمومنین بھی وہ شے یا صدقہ اس شخص کو دیوے۔ امیرالمومنین کی پرہیزگاری
و توفیق سب خدا کی طرف سے ہے۔ اور امیرالمومنین کی یہ خواہش ہے کہ وہ کام کرے
جس سے رضائے خداوندی حاصل ہو۔ بہ تحقیق کہ جناب رسالتمآب نے اپنی دختر حضرت
فاطمہ کو فدک ہبہ کیا تھا۔ اور بطور ملکیت کے دے دیا تھا۔ اور یہ ایک ایسا صاف و
صریح واقعہ ہے کہ اس میں رسول خدا کے قرابتداروں میں سے کسی ایک کو بھی اختلاف
نہیں ہے۔ پس امیرالمومنین اس کو حق سمجھتے ہیں کہ فدک جناب فاطمہؑ کے ورثا کو
واپس دے دیں۔ تاکہ خداوند تعالیٰ کی صفت عدل و حق کو قائم کر کے اس کا تقرب
حاصل کریں اور جناب رسول خداؐ کے احکام کو جاری کر کے ان سے سرخروئی حاصل
کریں۔ لہٰذا امیرالمومنین نے حکم دیا ہے کہ یہ واپسی فدک رجسٹروں میں لکھی
جائے۔ اور یہ احکام تمام عمّال کے پاس بھیجے جائیں۔ جب سے آنحضرتؐ نے وفات
پائی ہے۔ یہ رسم رہی ہے کہ موسم حج پر تمام لوگوں کو دعوت دی جاتی تھی کہ جس
کسی کو اللہ کے رسولؐ نے کچھ صدقہ دیا ہے یا ہبہ کیا ہے وہ آکر بیان کرے اور
اس کا قول قبول کر لیا جاتا تھا اس صورت میں جناب فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ
زیادہ حقدار ہیں کہ اُن کا قول دربارۂ ہبہ فدک منجانب رسول اللہؐ قبول کیا
جائے۔ بہ تحقیق کہ امیرالمومنین نے اپنے غلام مبارک طبری کو حکم لکھا ہے کہ فدک
حضرت فاطمہ کے وارثوں کو واپس دے دے مع اس کی تمام حدود و حقوق و پیداوار
و غلاموں کے یہ واپس دے۔ محمد بن یحییٰ بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب
اور محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کو ان دونوں کو امیرالمومنین نے

اس اراضی کے مالکان یعنی ورثائے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے
کارکن و متوتی مقرر کیا ہے۔ پس تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ امیرالمومنین کی رائے ہے
اور یہ وہ ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے انہیں حکم ہوا ہے تاکہ خدا اور اس کے
رسولؐ کی رضا حاصل کی جاوے۔ جو عملہ تمہارے ماتحت ہے ان کو بھی اس سے آگاہ
کردو کہ محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبداللہ کے ساتھ بھی وہی عمل کریں جو اس سے
قبل امیرالمومنین کے کارکن مبارک طبری کے ساتھ کرتے تھے۔ اور ان دونوں کو
وہ مدد پہنچائیں جس سے اس زمین کی زرخیزی و پیداوار و منافع میں اضافہ ہو۔
مشیت ایزدی کا اجرا ہو والسلام بروز بدھ ذیلقعد سنہ ۲۱۰ھ ۔ جب متوکل خلیفہ ہوا
تو اس نے پھر فدک کو اولاد فاطمہ سے چھین لیا اور اس کو پہلی حالت پر پہنچا دیا جو
قبل مامون کے تھی۔"

(فتوح البلدان ص ۴۷-۴۶ علامہ ابوالحسن البلاذری)

ہم نے گذشتہ بیان میں ناظرین پر واضح کیا ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس
سیدۃ النساء العالمین سلام اللہ علیہا سے فدک چھین لینے کی کوئی معقول وجہ نہ تھی
جو دفع الوقتی کے مطابق عذر تراشا گیا وہ محض ایک بہانہ تھا۔ ورنہ یہ ایک
سیاسی تدبیر تھی جس کا مدعا یہ تھا کہ آل محمد لوگوں کی نظروں میں گر جائیں یا مالی لحاظ
سے محتاج و بے دست و پا ہو جائیں تاکہ ہم لوگوں کو اپنی طرف کھینچ سکیں مگر افسوس
لوگوں نے خدا کے اس حکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کرسی کو ہی سلام کیا۔ حالانکہ
حکم ربانی ہے کہ
"ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جنہوں نے ظلم کئے ہیں۔ ورنہ تم کو دوزخ کی
آگ آ لپیٹے گی۔ خدا کے سوا تمہارا کوئی مددگار و دوست تو ہے نہیں۔ اگر تم ظالموں
سے مل گئے تو پھر تم کو کہیں سے مدد نہ ملے گی۔"

مسلمانوں سے دردمندانہ اپیل

اے کلمہ پڑھنے والو! اے توحید کے پرستارو!! اے شمع رسالت کے پروانو!!
اے ایمان و اسلام کے شیدائیو!!! خدا کے لئے انصاف سے کام لو۔ اللہ کی طرف
لوٹ کر جانا ہے۔ کسی بات پر ہٹ دھرمی سے پہلے حق و باطل میں شناخت ضرور
حاصل کرو۔ اور سوچو کہ آیا وہ مذہب برسر حق بھی ہے یا نہ۔ حضرت ابوبکر اس
حکومت پر قابض تھے جو جناب فاطمہؑ کے باپؐ کی پیدا کردہ اور اُن کے شوہر نامدارؑ
کی تلوار سے حاصل شدہ تھی۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حضرت ابوبکر کیسے بادشاہ
بن سکتے تھے۔ اس کے علاوہ سیدہؑ کے باپ سید المرسلینؐ حضرت ابوبکر کے
نجات دہندہ محسن اعظم بھی تھے۔ کیا اس محسنِ اعظم کے احسانات کا یہی بدلہ تھا جو حضرت
ابوبکر نے ان کی اکلوتی بیٹی کو دیا۔ تصور کریں روحِ پیغمبرؐ کو کتنا صدمہ ہوتا ہوگا
جب سیدہؑ مظلومہ فریاد کرتی ہوں گی۔ چند گھنٹوں کے لئے حضرت عباس بن عبدالمطلب
کا کراہنا جس دل نے برداشت نہ کیا وہ اپنی پیاری لختِ جگر کی آہ و زاری کس رنج
کے ساتھ سنتے ہوں گے۔ سنت پر عمل کرنے کا بڑا دعویٰ ہے۔ تو اس سنتِ نبوی
کی طرف بھی تو نگاہ کرو کہ ربیبہ دختر زینب کے ہار کی جدائی کا رنج برداشت
نہ کیا مسلمانوں سے کہہ کر واپس کر دیا۔ کیا قرابتداری رسولؐ کو ملحوظ رکھتے
ہوئے حضرت ابوبکر یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ اے مسلمانو! میری رائے میں فدک تم
مسلمانوں کا حق ہے لیکن دخترِ رسولؐ مانگ رہی ہیں۔ خدا نے ان کی محبت قرآن
میں واجب قرار دی ہے اور رسولؐ اپنی حیات میں ان سے بہت محبت و حسن
سلوک فرماتے تھے۔ اگر تمہاری رضامندی ہو تو یہ جائداد میں ان کو واپس
کر دوں۔ ہمارے خیال میں وہاں ایک بھی مسلمان صحابی ایسا نہ ہوتا جو اس بات
کی مخالفت کرتا۔ اس طرح سنتِ رسولؐ پر بھی عمل ہو جاتا اور مودۃ جو کہ اجر

رسالت ہے اس کی بھی ادائیگی ہو جاتی۔ لیکن ہائے افسوس! قابض تخت حاکم نے کس طرح تمہارے پیارے رسولؐ کی پیاری بیٹی کو اس کے باپ کی وفات کا پرسہ دیا۔ ایسا اظہار تعزیت پیش کیا کہ خاتون جنت نے ہر طرح کا قطع تعلق کر لیا۔ ایسی متنفر ہوئیں کہ سامنے آئے تو منہ پھیر لیا۔ ہر نماز میں بددعا فرمائی جنازہ پر آنے تک کی ممانعت کی وصیت فرمادی۔ اور نوحہ کناں رہیں کہ "مجھ پر ایسے مصائب آن پڑے ہیں کہ اگر روشن دنوں پر پڑتے تو سیاہ راتیں بن جاتے"۔ پس اب آپ سے یہی دردمندانہ اپیل ہے کہ مذہب فاطمہؑ اور مذہب ابوبکر میں جو مذہب آپ برسرِ حق سمجھتے ہیں اس پر قائم ہو جائیں۔

محدث عبد العزیز دہلوی کی وکالت

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اہل سنت کے سب سے بڑے مناظر ہیں اور برصغیر ہند و پاکستان میں انہیں مناظرہ کے دنگل کا بہت بڑا کشتی پہلوان مانا گیا ہے۔ آپ اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے دسویں باب در مطاعن خلفاء میں حضرت ابوبکر پر وارد طعن نمبر ۱۲ کے تحت لکھتے ہیں کہ

طعن

"طعن دوازدہم یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے فاطمہؓ کو ان کے باپؐ کے ترکہ سے ورثہ نہ دیا۔ پس فاطمہؓ نے کہا اے ابن ابی قحافہؓ تو تو اپنے باپ سے میراث پائے اور میں اپنے باپ سے میراث نہ پاؤں؟ یہ کون سا انصاف ہے اور رسولؐ کے مقابلہ میں ایک آدمی کی یعنی خود کی روایت سے حجت کرنے لگے۔ اور کہا کہ میں نے رسولخداؐ سے سنا ہے کہ ہم لوگ کہ پیغمبر کے فرقہ سے ہیں نہ کسی سے میراث لیتے ہیں نہ کوئی ہم سے میراث لیتا ہے۔ حالانکہ یہ خبر صحیح نص قرآن کے خلاف ہے یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (وصیت کرتا ہے اللہ تم کو اولاد کے حق میں کہ مرد کا عورت سے دوگنا حصہ ہے) کہ یہ نص عام

مسلمانوں سے دردمندانہ اپیل

اے کلمہ پڑھنے والو! اے توحید کے پرستارو!! اے شمع رسالت کے پروانو!!
اے ایمان و اسلام کے شیدائیو!!! خدا کے لئے انصاف سے کام لو۔ اللہ کی طرف
لوٹ کر جانا ہے۔ کسی بات پر ہٹ دھرمی سے پہلے حق و باطل میں شناخت ضرور
حاصل کرو۔ اور سوچو کہ آیا وہ مذہب برسر حق بھی ہے یا نہ۔ حضرت ابوبکر اس
حکومت پر قابض تھے جو جناب فاطمہؑ کے باپؐ کی پیدا کردہ اور اُن کے شوہر نامدارؑ
کی تلوار سے حاصل شدہ تھی۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حضرت ابوبکر کیسے بادشاہ
بن سکتے تھے۔ اس کے علاوہ سیدہؑ کے باپ سید المرسلینؐ حضرت ابوبکر کے
نجات دہندہ محسن اعظم بھی تھے۔ کیا اس محسنِ اعظم کے احسانات کا یہی بدلہ تھا جو حضرت
ابوبکر نے ان کی اکلوتی بیٹی کو دیا۔ تصور کریں روح پیغمبرؐ کو کتنا صدمہ ہوتا ہوگا
جب سیدہؑ مظلومہ فریاد کرتی ہوں گی۔ چند گھنٹوں کے لئے حضرت عباس بن عبدالمطلب
کا کراہنا جس دل نے برداشت نہ کیا وہ اپنی پیاری لختِ جگر کی آہ و زاری کس رنج
کے ساتھ سنتے ہوں گے۔ سنت پر عمل کرنے کا بڑا دعویٰ ہے۔ تو اس سنتِ نبوی
کی طرف بھی تو نگاہ کرو کہ ربیبہ دختر زینب کے ہار کی جدائی کا رنج برداشت
نہ کیا مسلمانوں سے کہہ کر واپس کر دیا۔ کیا قرابتداری رسولؐ کو ملحوظ رکھتے
ہوئے حضرت ابوبکر یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ اے مسلمانو! میری رائے میں فدک تم
مسلمانوں کا حق ہے لیکن دختر رسولؐ مانگ رہی ہیں۔ خدا نے ان کی محبت قرآن
میں واجب قرار دی ہے اور رسولؐ اپنی حیات میں ان سے بہت محبت و حسن
سلوک فرماتے تھے۔ اگر تمہاری رضامندی ہو تو یہ جائداد میں ان کو واپس
کر دوں۔ ہمارے خیال میں وہاں ایک بھی مسلمان صحابی ایسا نہ ہوتا جو اس بات
کی مخالفت کرتا۔ اس طرح سنت رسولؐ پر بھی عمل ہو جاتا اور مودۃ جو کہ اجر

ہے نبی اور غیر نبی سب کو شامل ہے نیز دوسری نص بھی اس کے مخالف ہے وورث سلیمان داؤد (اور وارث ہوئے سلیمان داؤد کے) یا فرمایا وھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب (اور بخش تو اپنے پاس سے مجھ کو کوئی ولی کہ وارث ہو میرا اور وارث ہو آل یعقوب سے) پس معلوم ہوا کہ انبیاء بھی وارث ہوتے ہیں اور اُن کے وارث بھی ان سے میراث پاتے ہیں۔

جواب جواب اس طعن کا یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے جو منع میراث کا حضرت فاطمہؓ سے کیا محض بسبب سننے اس نص پیغمبرؐ کے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی نہ کہ بسبب عداوت وبغض فاطمہؓ کے اس دلیل سے کہ اگر میراث ٹھہرتی تو ازواج مطہراتؓ کو بھی ترکہ پیغمبرؐ سے حصّہ پہنچتا اور عائشہؓ ابوبکرؓ کی دختر بھی ازواج سے تھیں پس اگر ابوبکرؓ کو فاطمہؓ سے بغض وعداوت تھی تو ازواج مطہرات اور اُن کے باپ بھائی خصوصاً خود اپنی لڑکی کہ حضرت عائشہؓ تھیں ان سے کیا عداوت تھی کہ جو سب کو محروم المیراث کیا۔ اور نیز قریب نصف ترکے کہ حضرت عباسؓ کو جو آپ کے چچا تھے ان کو پہنچتا تھا۔ پس اس صورت میں کہ عباسؓ ابتدائے خلافت سے ابوبکرؓ کے مشیر ورفیق تھے ان کو کیوں محروم المیراث کیا۔ اور جو کہا ہے کہ فقط ایک شخص یعنی خود اپنی روایت سے حضرت فاطمہؓ کو جواب دیا تو یہ محض جھوٹ ہے۔ کیونکہ یہ خبر کتب اہل سنت میں موافق روایت حذیفہؓ بن الیمان اور زبیرؓ بن عوام اور ابودرداؓ اور ابوہریرہؓ اور عباسؓ اور علیؓ اور عثمانؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سعد بن وقاصؓ کی صحیح وثابت ہے کہ یہ سب بزرگ ترین صحابہ ہیں اور بعض ان میں سے مبشر بہ بہشت تھے اور ملا عبداللہ مشہدی نے حذیفہؓ کے حق میں کتاب اظہار الحق میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے کہ "ما حدثکم بہ حذیفۃ فصدقوہ" (حذیفہؓ جو بات تم سے کہے اس کو سچ

جانو) اور ان میں سے علی مرتضیٰ بھی ہیں کہ باجماع شیعہ معصوم اور باتفاق اہل سنت صادق ہیں اور عائشہؓ اور ابوبکرؓ اور عمر کی روایت کا اس موقع پر اعتبار نہیں ہے۔

بخاری نے مالک بن اوس بن حدثان النضری سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطابؓ نے ایک مجمع میں کہا جس میں صحابہ یعنی علیؓ اور عباسؓ اور عثمانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیرؓ بن عوام اور سعد بن ابی وقاصؓ جمع تھے کہ قسم دیتا ہوں میں تم کو اس خدا کی کہ جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں تم جانتے ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے واسطے میراث نہیں جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ سب نے کہا اے بار خدایا ایسا ہی ہے۔ پھر وہ متوجہ ہوئے علیؓ اور عباسؓ کی طرف اور کہا تم کو قسم دیتا ہوں خدا کی کیا تم جانتے ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ ان دونوں نے کہا اے بار خدایا ایسا ہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ خبر بھی قطعی ہونے میں برابر آیت کے ہے اس واسطے کہ یہ جماعت جن کے نام لئے گئے ہیں ان میں سے ایک کی خبر مفید یقین ہے نہ کہ یہ جماعت کثیر خصوصاً علی مرتضیٰ کہ شیعہ کے نزدیک معصوم ہیں اور روایت معصوم کی برابر قرآن کے ہے۔ ان کے نزدیک حق الیقین ہیں اور قطع نظر ان سب کے یہ روایت کتب شیعہ میں بھی امام معصومؑ سے موجود ہے۔

روایت کی محمد بن یعقوب رازی نے کافی میں ابی البختری ابی عبداللہ جعفر بن محمد صادق علیہ السلام سے کہا کہ بے شک علماء وارث انبیاء کے ہیں۔ اور یہ بات اس سبب سے ہے کہ انبیاء میراث نہیں چھوڑتے ہیں۔ اور ایک نسخہ میں ہے کہ انہوں نے میراث نہیں پائی ہے درہم و دینار سے۔ پس ان کی یہی چند باتیں (حدیثیں) اپنی باتوں (حدیثوں) سے میراث ہیں جس نے ان باتوں سے کچھ حاصل کیا پس اس نے بڑا حصہ پایا۔

اس حدیث میں کلمہ انما موافق اقرار شیعہ کے حصر کے واسطے ہے جیسا

کہ آیت انما ولیکم اللہ میں گذرا۔ غرض معلوم ہوا کہ سوائے علم و حدیثوں کے کوئی چیز کسی کو نہیں دی ہے۔ پس ثابت ہوا مدعا موافق روایت معصومؑ کے ص۸۵
نیز خبر پیغمبرؐ کی جس نے بلا شبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اس کے حق میں مفید علم یقینی کا ہے بلاشبہ۔ پس اپنے سنے ہوئے پر عمل کرنا واجب ہے چاہے دوسرے سے سنے یا نہ سنے۔ اور سب شیعہ اور سنی اصول والے اس پر متفق ہیں کہ تقسیم خبر کی متواتر اور غیر متواتر کی نسبت ان لوگوں کے ہے جنہوں نے نبی کو نہ دیکھا ہو۔ اور اوروں کے واسطے سے اس کو سنتا ہو نہ کہ ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے نبی کو دیکھا بھی اور بے واسطہ ان سے کوئی خبر بھی سنی کہ یہ خبر اس کے حق میں حکم متواتر رکھتی ہے بلکہ متواتر سے بڑھ کر ہے اور جب یہ خبر ابو بکرؓ نے خود سنی تھی تو حاجت تفتیش کی نہ تھی کہ کسی دوسرے سے جستجو کرتے۔" ص۹۱

جواب الجواب

شاہ صاحب نے اپنی وکالت میں پہلی دلیل یہ وضع کی ہے کہ حضرت ابو بکر نے جو منع میراث کا حضرت فاطمہؑ سے کیا محض بسبب سننے اس نص پیغمبر کے تھا کہ حضورؐ سے سنی تھی اس کا سبب عداوت سیدہؑ نہ تھا۔ اگر میراث ٹھہرتی تو ازواج رسولؐ کو بھی ترکہ پیغمبرؐ سے حصہ ملتا اور خصوصاً حضرت عائشہ بنت ابو بکر کو محروم المیراث نہ کیا جاتا چنانچہ مجیب یہ عرض کرتا ہے کہ یہ بات بھی خلاف واقع ہے کہ ایسا نص پیغمبر کے تحت کیا گیا اور ازواج کو محروم المیراث کیا گیا۔ کیونکہ اگر اس حدیث کو نص پیغمبر مان لیا جائے تو تکذیب نبوت کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ قول ابو بکر کو تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ خیال کیا جائے کہ حضورؐ نے پورے طور پر رسالت کو ادا نہ کیا اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم محتاج تغیر ہے کیونکہ حضورؐ کل مخلوقات کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور خصوصاً اپنے خویش و اقارب و اہل بیت کو بحکم خداوندی وانذر عشیرتک الاقربین

تو تمام احکام و فرمان بخوبی سنا دئے تھے۔ اگر آنحضرت نے حدیث لانورث کو اپنے اہل بیت کو نہ سنایا اور میراث کا فیصلہ نہ سنا گئے اور قرآن مجید کے موجودہ حکم کے مخالف کسی غیر کو حکم دے گئے تو لازم آتا ہے کہ جناب صلعم نے تبلیغ رسالت میں معاذ اللہ قصور کیا جس سے شانِ نبوت پر حرف آتا ہے۔ پس تحفظ نبوت و رسالت کے لئے ضروری ہے کہ حضرت ابوبکر کے کلام کو درست تسلیم نہ کیا جائے۔ اور یہ حضرت ابوبکر کی خاص کمزوری تھی کہ انہوں نے نص قرآن یوصیکم اللہ فی اولادکم۔۔۔ الخ کے خلاف ایک مصنوعی حدیث پیش کر دی یہی وجہ ہے علماء اہل سنت نے مجبوراً یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت ابوبکر سے اس معاملہ میں غلطی ہوئی۔ مثلاً صاحب دراسات اللبیب صفحہ ۱۳ پر رقم کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے جناب فاطمہ کو فدک واپس نہ کرنے میں خطا کی اور مولوی عبیداللہ بسمل سابق اہل سنت جو بعد میں مرزائی ہو گئے تھے لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق مجتہد تھے مگر معصوم نہ تھے اور بوجہ المجتہد قد یخطی و قد یصیب اُن سے فدک کے معاملہ میں خطأ فی الاجتہاد واقع ہو گیا۔

(ارجح المطالب ب۲ صفحہ ۵۱۴ مطبع کریمی لاہور بار سوم)

اب جب نص پیغمبر ثابت ہی نہیں ہے تو پھر بغض سیدہ ہی وہ باعث تھا کہ آپ کی جائیداد چھین لی گئی۔ کتاب ثمرۃ النبوۃ میں اس موضوع پر ایک دلچسپ مکالمہ نقل کیا گیا ہے جو اس وجہ و سبب کی تلاش میں کافی مددگار ثابت ہوگا کہ سیدہ کو محروم المیراث کیوں کیا گیا۔ صاحب کتاب مذکور لکھتے ہیں کہ جب جناب امیرؑ نے مجلس عام میں بیعتِ ابوبکر سے انکار کر دیا تو دربار برخاست ہونے کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ جب تک علیؑ بیعت نہ کرے گا۔ آپ کی حکومت مخدوش رہے گی۔ اس کے دلائل جو آپ سن چکے ہیں بہت قوی ہیں کہ پوری مجلس سے ان کا جواب نہیں بن پڑا۔

آج بھی جو حجتیں اس نے پیش کی ہیں ان کا بھی جواب سوائے اجماع کے کوئی نہ ہو سکا۔ اور پھر اس اجماع پر جو اعتراضات اس نے اٹھائے انکار کسی سے نہ ہو سکا۔ اگر یہی حالت رہی تو آخر کار لوگ حق پہچان لیں گے اور عوام کے دلوں کا جھکاؤ ادھر ہو جائے گا۔ آپ کو ایسی صورت میں تخت و تاج سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اب اس کا موقع نہیں رہا ہے کہ حجتوں اور بحثوں میں وقت ضائع کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی گفتگو یوں ہوئی۔

حضرت ابوبکر۔ تم ہی بتلاؤ کہ کیا تدبیر کرنی چاہیئے جس سے جناب علی کی قوت جاتی رہے اور وہ مجبور ہو جائیں۔

حضرت عمر:۔ میرے نزدیک تو سر دست یہ مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت سے موضع فدک لے لیا جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہے اور فاطمہ اس پر تصرف کرنے کی مجاز نہیں ہیں۔

حضرت ابوبکر:۔ پیغمبر خدا نے فدک ان کو عطا کیا ہے اب اس کا ان سے جھگڑا کرنا صریحاً زیادتی ہوگی اور لوگ بھی روا نہ رکھیں گے۔

حضرت عمر:۔ ایسے خیالات آئین ملک داری کے خلاف ہیں۔ فدک پر قبضہ کر لینے میں کئی فائدے متصور ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اس کی آمدنی کثیر ہے اور اس کے ذریعے سے اہل بیت کو اپنے بذل و سخا سے لوگوں کو اپنی طرف مائل و گرویدہ کر لینے کا جو موقعہ حاصل ہے وہ ان سے جاتا رہے گا۔ اور وہ خود جب محتاج ہوں گے تو مضطر ہو کر خواہ مخواہ ہماری اطاعت پر راضی ہو جائیں گے۔ یہ کہ جب ہم عام مسلمانوں کا حق فدک میں بتلا کر ان کے فائدے کے لئے اس کا لینا ظاہر کریں گے تو وہ لوگ ہم کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر ہمارے ہوا خواہ

آج بھی جو حجتیں اس نے پیش کی ہیں ان کا بھی جواب سوائے اجماع کے کوئی نہ ہو سکا۔ اور پھر اس اجماع پر جو اعتراضات اس نے اٹھائے انکار کسی سے نہ ہو سکا۔ اگر یہی حالت رہی تو آخر کار لوگ حق پہچان لیں گے اور عوام کے دلوں کا جھکاؤ ادھر ہو جائے گا۔ آپ کو ایسی صورت میں تخت و تاج سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اب اس کا موقع نہیں رہا ہے کہ حجتوں اور بحثوں میں وقت ضائع کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی گفتگو یوں ہوئی۔

حضرت ابوبکر۔ تم ہی بتلاؤ کہ کیا تدبیر کرنی چاہیئے جس سے جناب علی کی قوت جاتی رہے اور وہ مجبور ہو جائیں۔

حضرت عمر۔ میرے نزدیک تو سردست یہ مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے موضع فدک لے لیا جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہے اور فاطمہ اس پر تصرف کرنے کی مجاز نہیں ہیں۔

حضرت ابوبکر۔ پیغمبر خدا نے فدک ان کو عطا کیا ہے اب اس کا ان سے جھگڑا کرنا صریحاً زیادتی ہوگی اور لوگ بھی روا نہ رکھیں گے۔

حضرت عمر۔ ایسے خیالات آئینِ ملک داری کے خلاف ہیں۔ فدک پر قبضہ کر لینے میں کئی فائدے متصور ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اس کی آمدنی کثیر ہے اور اس کے ذریعہ سے اہلِ بیت کو اپنے بذل و سخا سے لوگوں کو اپنی طرف مائل و گرویدہ کر لینے کا جو موقعہ حاصل ہے وہ ان سے جاتا رہے گا۔ اور وہ خود جب محتاج ہوں گے تو مضطر ہو کر خواہ مخواہ ہماری اطاعت پر راضی ہو جائیں گے۔ یہ کہ جب ہم عام مسلمانوں کا حق فدک میں بتلا کر ان کے فائدے کے لئے اس کا لینا ظاہر کریں گے تو وہ لوگ ہم کو اپنا خیرخواہ سمجھ کر ہمارے ہوا خواہ

ہو جائیں گے۔ (نیز) یہ کہ فدک کے معاملہ سے خلافت کا دعویٰ نیچے پڑ جائیگا علاوہ فدک کے خمس بھی اہلبیتؑ کے لیئے موجب طمانیت ہے۔ اور اس سے بھی ان کو تقویت پہنچتی ہے۔ اس لیئے اس کو بھی منضبط کر لینا مناسب ہے جب اس سے بھی محروم کر دیئے جائیں گے تو نان شبینہ تک کو محتاج ہو کر بجز ہماری اطاعت کے ان سے کیا بن پڑے گا۔"

(ثمرۃ النبوۃ صفحہ ۱۷۶ ابحاالثبوت خلافت حصہ دوم صفحہ ۴۲۸)

حضرت ابوبکر نے اپنے وزیر باتدبیر حضرت عمر کی پالیسی کو پسند فرمایا اور ضبطی فدک و خمس کا حکم جاری کر دیا۔

پس مندرجہ بالا گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ منع میراث۔ برائے سیدہؑ از روئے نص رسولؐ ہرگز نہ تھا کیونکہ رسولؐ کا مخالفِ قرآن ہونا امرِ محال ہے۔

اب دوسری شق کی طرف آیئے کہ سیدہؑ کے علاوہ کسی کو بھی میراث سے محروم نہ کیا گیا اور جو جو کسی کے پاس تھا اس کو نہ چھوا گیا۔ ازواج سے مکانات واپس نہ لیئے گئے۔ خصوصاً حضرت عائشہ کے بارے میں تو مرقوم ہے کہ

"اسماء بنت ابوبکر نے قاسم بن محمد اور عبداللہ بن ابی عتیق سے کہا مجھے اپنی بہن عائشہ کے ترکہ میں سے غابہ[1] میں کچھ جائیداد ہاتھ آئی مجھے معاویہ اسی کے بدل ایک لاکھ دیتا تھا۔ میں نے نہ بیچی۔ یہ جائیداد تم لے لو دونوں۔"

(بخاری ترجمہ مطبع احمدی لاہور کتاب الھبہ باب ہبۃ الواحد للجماعۃ صفحہ ۴۲ ۔ تیسیر الباری شرح بخاری میں ہے ترجمہ مولوی وحید الزماں کا حاشیہ

---

[1] غابہ ایک موضع کا نام ہے جو مدینہ سے متصل تھا۔

ملاحظہ کر لیں۔)

اب غور فرمائیں حضورؐ نے کچھ چھوڑا نہیں اور حضرت عائشہ کو محروم المیراث رکھا گیا زیادہ سے زیادہ نان و نفقہ ملتا تھا تو پھر یہ لاکھ بھر کی زمین بحان کی بہن کو ورثہ میں ملی کہاں سے آگئی اور کون سی شرعی دلیل سے آپ کے قبضہ میں تھی نیز دس ہزار درہم کا عطیہ بی بی صاحبہ کو کیوں ملتا تھا۔ بی بی عائشہ کا اس قدر مالدار ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اُن پر حکومت کی طرف سے کوئی مالی عتاب نازل نہ ہوا۔ اسی طرح حضرت عباس بن عبد المطلب کی بھی کسی جائیداد کو ضبط نہ کیا گیا۔ البتہ اُن کی میراث کے مطالبہ کو التوا میں ضرور رکھا گیا جو کچھ عرصہ بعد پورا کر دیا گیا۔ لیکن حضرت عباس نے بھی حضرت ابوبکر کی بیان کردہ حدیث کو سچا نہ سمجھا جیسا طبقات ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ

"جناب فاطمہ حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لائیں کہ اپنے والد کی میراث طلب فرمائیں حضرت عباس عمِ رسولؐ اپنی میراث کے لئے آئے۔ ان کے ساتھ حضرت علیؑ بھی تھے۔ پس ابوبکر نے کہا کہ رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہے۔ جو کچھ ہم نے چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ پس علیؑ نے فرمایا۔ حضرت داؤدؑ کا وارث حضرت سلیمانؑ ہوا۔ حضرت زکریاؑ نے دعا مانگی کہ مجھے ایسا فرزند عطا کر جو میرا اور آلِ یعقوبؑ کا وارث ہو۔ حضرت ابوبکر نے کہا اسی طرح ہے اور تو قسم ہے خدا کی جانتا ہے مثل اس کے میں جانتا ہوں۔ پس علیؑ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی کتاب بولتی ہے (اور آپ اس کے برخلاف موضوع حدیث بیان کرتے ہیں) پس چپ ہو رہے اور واپس ہو گئے۔"

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ ایک تنازعہ لے کر حضرت عمر کے پاس آئے تو انہوں نے کہا۔

"جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ابوبکر نے کہا

میں ولی رسول ہوں تو تم دونوں (عباس و علی) اپنی میراث مانگنے آئے۔ اے عباس آپ تو اپنے بھتیجے کی میراث مانگتے تھے اور یہ (علیؑ) اپنی زوجہ کی طرف سے ان کے باپ کی میراث کو مانگنے آئے پس ابوبکر نے کہا کہ جناب رسول خدا نے کہا ہے ہمارا کوئی وارث نہیں ہے جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ پس تم دونوں نے ابوبکر کو جھوٹا، گنہگار، ٹھگ، اور خیانتی جانا اور خدا جانتا ہے کہ وہ سچا، نیک، منصف اور حق کا تابع تھا۔ پھر جب ابوبکر فوت ہوئے اور میں رسول خدا صلعم اور ابوبکر کا ولی ہوا تو تم دونوں نے مجھے بھی جھوٹا، گنہگار، ٹھگ اور خیانتی سمجھا اور اللہ جانتا ہے کہ میں صادق، نیک، سچا اور حق کا تابع ہوں۔"

(صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الجہاد والسیر باب الفے صہ ۹۱ مطبوعہ نولکشور)

پس نتیجہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور عم رسول مقبول جناب عباس نامدار رضی اللہ عنہ ہر دو بزرگواروں نے حضرت ابوبکر کی بیان کردہ حدیث لانورث کو ہرگز سچا نہ سمجھا تھا اور ہمیشہ دورِ عمر تک بھی ان کو حق پر نہ جانتے تھے۔

اسی طرح صحیح بخاری میں بھی اس نوعیت کا واقعہ نقل ہوا ہے کہ وہاں بھی حضرت عمر کا مکالمہ اسی طرح کا ہے کہ انہوں نے حضرت عباسؓ و علیؑ کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم دونوں یوں کہتے تھے کہ ابوبکر کی یہ کاروائی ٹھیک نہیں۔

(صحیح بخاری پ۱۶ کتاب المغازی صہ ۲۹ مطبع احمدی لاہور)

پس صحیحین میں موجودگی کے باعث حضرت عباسؓ کا حضرت ابوبکر کے فعل کو صحیح تسلیم نہ کرنا متفق علیہ قرار پا جاتا ہے۔ لہٰذا جب مدعا علیہ کے اپنے پیش کردہ گواہ کی شہادت ہی اس کے خلاف ہے تو پھر اس کے

ذمہ بارِ ثبوت بدستور باقی رہے گا۔ اگر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اس حدیث سے واقف ہوتے یا حضرت ابوبکر کی بات کو قابلِ اعتبار سمجھتے تو ہرگز بار بار دربارِ خلافت میں مطالبہ لے کر نہ جاتے۔ اور شیخین کو کاذب، آثم، غادر اور خائن کے مذموم القابات سے ملقب نہ کرتے۔

تیسری بات قابلِ جواب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے نو صحابہ کے نام لکھے ہیں جن سے یہ لاوارث حدیث بقول ان کے مرقوم ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے مثال کے طور پر ایک بھی نمونہ نقل نہیں کیا ہے۔ تاہم شاہ صاحب کے ہم مسلک حضرات سے ہم بصد ادب درخواست کرتے ہیں کہ وہ کتب صحاح میں سے کوئی ایسی روایت نشان کرا دیں جو مرفوع و متواتر ہو اور ان کے رواۃ میں حضرات ابوبکرؓ، عمر و عائشہ موجود نہ ہوں۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں سند کے لحاظ سے یہ روایت سوائے حضرت ابوبکر کے کسی سے بھی مروی نہیں ہے۔ جو روایت شاہ جی نے حضرت عمر کی نقل کی ہے وہ غیر مستند ہے اور اس کے خلاف صحیحین سے ہم نے اوپر ثابت کر دیا ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ نے اس قولِ منسوبہ کو قبول نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت عمر کا اپنا خود کا عمل اس حدیث کے خلاف ثابت ہے کہ بخاری ہی کے مطابق حضرت عمر نے مدینہ کا ورثہ حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کو دیدیا مگر فدک و خیبر اپنے پاس رکھا۔

فاما صدقتہ بالمدینہ فدفعہا عمر الی علی وعباس فاما خیبر و فدک فامسکہا عمر وقال ہما صدقتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانتا لحقوقہ التی تعروہ ونوائبہ وامرہما الی من ولی الامر قال فہما علی ذلک الی الیوم۔" (صحیح بخاری باب فرض الخمس الجز الثانی صہ ۱۲۴)

(حضرت ابوبکر کے بعد) حضرت عمر نے مدینہ کا ورثہ حضرت علیؑ و عباسؓ کو دیدیا مگر خیبر و فدک اسی طرح اپنے پاس رکھا اور کہا کہ یہ رسول اللہ کا صدقہ ہیں۔ یہ دونوں

حضورؐ کے پاس ان حوادثات کے لیے تھے جو ان کو پیش آتے تھے اور یہ حق ہے۔ اس کا جو حاکم ہو۔ راوی نے کہا وہ اس کے زمانہ تک اسی طرح ہے۔

اب ناظرین خود فیصلہ کریں کہ اگر حضرت ابوبکر کی بیان کردہ حدیث صحیح تھی اور صحابہ نے قسم کھا کر اس کی تصدیق کر دی تھی تو پھر چند ہی دنوں بعد قول رسولؐ کے خلاف عمل کرتے ہوئے حضرت عمر نے مدینہ کا ورثہ کیوں حضرت علیؑ و عباسؓ کو لوٹا دیا اور جب حضرت علیؑ اور عباسؓ حقدارِ ترکہ ہی نہ تھے تو انہوں نے بلا استحقاق یہ جائیداد کیوں قبول کر لی۔ یا تو حدیث کی حفاظت کیجئے یا تین عادل صحابیوں کی عدالت کا تحفظ فرمایئے۔ جبکہ ان تینوں میں دو اصحاب آپ کے راشد خلیفہ ہیں اور تیسرے عم نامدارِ رسول مقبولؐ ہیں۔

پھر بخاری شریف کی اس منقولہ روایت میں ایک اور لطیف نکتہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر کا فدک کے لیے عذر تھا کہ عام مسلمانوں کے لیے صدقہ ہے مگر حضرت عمر فرما رہے ہیں کہ فدک پر حاکم کا حق ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ سچی بات زبان پر آ کر ہی رہتی ہے۔

خاندانِ نبوت وازواج النبی جن کا براہ راست اس حکم سے تعلق ہے وہ بھی قطعاً بے خبر ہیں۔ اور حضرت عثمان بن عفان کو بھی اس حدیث کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ یہ سب کچھ بخاری ہی سے ملاحظہ کیجئے۔ راوی کا بیان ہے کہ

"میں نے حضرت عائشہ سے سنا کہ وہ کہتی تھیں کہ آنحضرت صلعم کی ازواج نے حضرت عثمان کو حضرت ابوبکر کے پاس اُن مالوں سے جو اللہ نے اپنے رسول صلعم کو بن لڑے بھڑے دیئے اپنا آٹھواں حصہ ترکہ مانگنے کے لیے بھیجا۔ میں نے اُن کو منع کیا اور کہا تم کو خدا کا خوف نہیں تم نہیں جانتے کہ حضور فرمایا کرتے تھے ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ آپ نے اپنے تئیں مراد لیا۔ البتہ محمدؐ کی آل اس مال سے کھائیں گے گذارے کے موافق اس میں سے اپنا خرچ لے گی یہ سن کر آپ کی بیویاں ترکہ مانگنے سے باز آ گئیں۔

(صحیح بخاری۔ کتاب المغازی پارہ ۱۶ صفحہ ۴۰ مطبع احمدی لاہور)

اب غور فرمائیے شاہ صاحب نے حضرت عثمان کو اس حدیث کا گواہ پیش کیا لیکن حضرت علی و عباس کی طرح آپ بھی اس سے ناواقف نکلے کہ ازواج اُن کو وکیل بنا کر دربارِ حکومت میں بھیجنا چاہتی ہیں اور وہاں اُن پر اس عذر کا اظہار نہیں فرماتے ہیں کہ حضور کا تو کوئی وارث ہی نہیں لہٰذا ورثہ کا ہے کا؟ پس معلوم ہوا کہ یہ خبر اس قدر خفیہ گھڑی گئی تھی کہ سوائے جناب ابوبکر و حضرت عائشہ کے اور کوئی واقف نہ تھا جو بھی واقف ہوتے ان کا ذریعہ سماعت زبانِ ابوبکر ہی تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ اوروں کی بات چھوڑیں خود حضرت ابوبکر نے آخر کار اپنے ہی وضع کردہ قول کو جسے حدیثِ رسولؐ ظاہر کیا تھا غلط قرار دیا۔ سیرۃ الحلبیہ اور تذکرہ خواص الامۃ علامہ سبط ابن جوزی میں ہے کہ:

"جناب فاطمہؑ بنت رسولؐ حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لائیں اس وقت وہ منبر پر تھے۔ سیدہ نے فرمایا اے ابوبکر کیا قرآن میں یہ حکم ہے کہ تمہاری بیٹی میراث پائے اور مجھے میرے باپ کی میراث نہ ملے یہ سن کر حضرت ابوبکر نے آبدیدہ ہو کر کہا میرے باپ تمہارے باپ اور تم پر قربان ہوں۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے اور فدک کیلئے سیدہ کے حق میں تحریر لکھ دی۔ اتنے میں حضرت عمرؓ آئے اور پوچھا یہ کیا ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا یہ وثیقہ ہے جو میں نے جناب فاطمہؑ کی میراث کے لئے لکھ دیا ہے، حضرت عمر نے کہا اب مسکینوں کو کیا دو گے تمام عرب تو تم سے لڑنے کے لئے تیار ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عمر نے وہ تحریر پھاڑ دی۔" (سیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۱)

اب بتایا جائے کہ اگر حدیث لا نورث سچی و صحیح ہوتی تو حضرت ابوبکر فدک کی واگذشت کیوں لکھ دیتے۔ پس جب خود حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عباس کے طرزِ عمل سے اس حدیث کی مخالفت ثابت ہے تو پھر وکلاء کی وکالت کس کام آسکتی ہے؟

پانچویں بات شاہ صاحب کی کافی میں وارد روایت کی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتب شیعہ میں یہ روایت سوائے ابوالبختری کے کسی اور نے روایت نہیں کی ہے ابوالبختری کے متعلق علماء شیعہ کا فیصلہ ہے کہ یہ کذاب اور مانا ہوا وضاع ہے ملاحظہ کریں فی معرفتہ الرجال للکشی مطبوعہ بمبئی ص ۱۹۹ ۔ پھر علامہ ابن حجر کی تحریر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے تصدیق کی ہے کہ یہ شخص سنی المذہب تھا۔ اور اس نے اپنے آپ کو بناوٹی شیعہ ظاہر کیا تھا۔

"سعید بن فیروز ابوالبختری ثقہ ثبت فیہ تیشح قلیل کثیر الارسال من الثالثۃ" (تقریب التھذیب ص ۱۲۸)

اس سے ثابت ہوا کہ ابوالبختری اہل سنت میں معتمد ہے تھوڑا تشیع ظاہر کرتا تھا مگر بہت مرسل احادیث بیان کرتا تھا۔ لیکن شیعوں کے نزدیک وہ سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔ اس لئے جھوٹوں کی گواہی مقبول نہیں۔ پس قول ابوبکر اور نام نہاد حدیث لانورث وضعی ثابت ہوئی۔

امر ششم یہ ہے کہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ خبر پیغمبر کی جس نے بلا واسطہ سُنی ہو اُسے اپنے سنے ہوئے پر عمل کرنا واجب ہے پس چونکہ حضرت ابوبکر نے اپنی سماعت کردہ لاوارث حدیث پر عمل نہ کیا یہ خلاف طرز عمل دو ہی نتائج کا ماخذ ہو سکتا ہے کہ یا تو اس قول کو مبنی بر کذب مان لیا جائے یا پھر حضرت ابوبکر کو خلاف ورزی رسولؐ کا مرتکب تسلیم کر لیا جائے۔ دونوں ہی صورتیں حضرت صاحب کے لئے خطرناک ہیں اور ظاہر ہے جب کوئی خبر واحد کسی ایک راوی سے نقل ہو گی تو لامحالہ حاجت تحقیق و تفتیش ضروری ہو گی۔ اور محض حضرت ابوبکر کی سماعت نہ صرف شیعہ کے لئے حجت قرار نہ پائے گی بلکہ اہل سنت بھی حضرت ابوبکر کے لئے معصوم ہونا تجویز نہیں کرتے اور خطا کا صدور ان سے جائز مانتے ہیں۔ اب جب کہ متعدد شواہد اور تمام قرائن سے یہ حدیث موضوع قرار پا جاتی ہے بلکہ اس سے نقص رسالت اور توہین نبوت جیسے خطرناک پہلو نکلتے ہیں تو کوئی

وجہ معقول نہیں ہے کہ اس حدیث کو مردود قرار نہ دیا جائے۔ اگر میراث رسولؐ حسب قول ابوبکر صدقہ تھا تو پھر جواب دیا جائے کہ بخاری کی روایات میں "انا یا کل آل محمد" کیوں مرقوم ہے یعنی آل محمدؐ اس سے کھائے گی۔ یہ مسلمہ حدیث ہے کہ آل محمدؐ پر صدقہ حرام ہے۔ تو روایات کے مطابق حضرت ابوبکر مال حرام اولاد رسولؐ کو کھلاتے تھے اور کیا سادات کرام کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ صدقہ حرام ہے اور ان کا دعویٰ مال حرام کے لئے ہے۔ بہرحال یہ باتیں ثابت کرتی ہیں کہ یہ حدیث بناوٹی ہے اور وضع کرتے وقت اس میں بہت لغزش و سہو باقی رہ گیا ہے۔

خبر مخالفِ آیت نہیں

شاہ صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"اب ہم اس بات کو ثابت کرتے ہیں جو شیعہ کہتے ہیں کہ خبر مخالف آیت کے ہے۔ یہ بھی جھوٹ ہے۔ کیونکہ "کم" سے خطاب امت کی طرف ہے نہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ پس یہ خبر مبین تعین خطاب کے ہے نہ کہ مخصص اس کے۔ اور اگر مخصص بھی ہو تو تخصیص آیت کی لازم آئے گی مخالف کیونکر ہو جائے گی۔ اور آیت نے بہت جگہ تخصیص پائی ہے۔ مثلاً اولاد کافر کی وارث نہیں ہے۔ رفیق وارث نہیں ہے۔ قاتل وارث نہیں ہے۔ اور شیعہ بھی اپنے آئمہؑ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ کے بعض وارثوں کو اپنے باپ کے بعض ترکہ سے منع کیا ہے اور خود لیا ہے جیسے تلوار اور قرآن شریف اور انگوٹھی اور پوشاک بدنی باپ کی اس خبر کے ساتھ کہ جس کے راوی تنہا خود ہی ہیں کہ ابھی تک عصمت اس خبر کی اہل سنت کے نزدیک ثابت نہیں ہے نہ کہ دلیل ثبوت۔ صحت اس خبر کی بلکہ تمام اہل بیت پر حضرت امیرالمومنینؑ سے لے کر آخر تک یہ ہے کہ جب ترکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے قبضہ میں پڑا تو حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد سب کو خارج کیا۔ اور دخل نہ دیا۔ اور ازواج کو بھی ان کا حصہ نہ دیا۔ پس اگر میراث ترکہ پیغمبر میں جاری ہوتی تو یہ بزرگوار کہ

شیعہ کے نزدیک معصوم اور اہلِ سنت کے نزدیک محفوظ ہیں کس طرح یہ حق تلفی صریح روا رکھتے۔ کیونکہ باجماع اہلِ سیر اور تواریخ والوں اور علمائے حدیث کے ثابت اور طے شدہ ہے کہ متروکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر و فدک وغیرہ عمرؓ بن خطاب کے عہد میں حضرت علیؓ اور عباسؓ کے اختیار میں تھا۔ حضرت علیؑ نے عباسؓ پر غلبہ کیا اور بعد علی مرتضٰےؑ کے حسن بن علیؑ ان کے بعد حسین بن علیؓ پھر علی بن حسینؓ اور حسن بن حسنؓ کے ہاتھ آیا کہ دونوں اس میں تبادل کرتے ہیں یعنی ایک سے دوسرے کے اختیار میں جاتا ہے۔ ان کے بعد زیدؓ بن حسن بن علی برادر حسن بن حسن کے متصرف ہوئے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر مروان کے قبضے میں کہ وہ امیر تھا پڑا۔ اور مروانیوں کے اختیار میں رہا حتیٰ کہ نوبت خلافت عمر بن عبدالعزیزؒ کی پہنچی۔ یہ ایک شخص عادل تھا اس نے کہا کہ میں اس چیز کو جس کے لیئے سے پیغمبر خدا نے حضرت فاطمہ کو منع کیا اور روا نہ رکھا اور نہ دیا نہیں لوں گا۔ میرا اس میں کچھ حق نہیں ہے میں اس کو پھیرتا ہوں پس اس کو اولاد فاطمہ علیہا السلام پر لوٹا دیا۔ پس بعمل آئمہ معصومینؑ کے اہلِ بیت سے معلوم ہوا کہ ترکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میراث نہ تھا۔ نہ حکم میراث اس میں جاری ہوا۔ اب آیت میراث نے حدیث مذکور سے خصوصیت پائی"۔

اس مشکل قضیہ نے شاہ صاحب کی گھبراہٹ میں خاصا اضافہ کر دیا ہے فرماتے ہیں آیت میں خطاب امت سے ہے اور نبیؐ مخاطب نہیں حالانکہ یہ اتنا دلیرانہ عذر ہے کہ حضرت ابوبکر جو مدعا علیہ تھے وہ بھی ایسی جرأت نہ کر سکے۔ لیکن چلئے دفع وقتی کے لئے ہم نے مان لیا کہ اس آیت کے مخاطب تمام مسلمان ہیں مگر قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کی بعض آیات بعض کی مصدق و مفسر ہیں آپ حدیث مذکورہ سے منسوب کردہ خصوصیت کسی اور آیت قرآنی سے ثابت کیجئے کیونکہ قرآن کے احکامات کے خلاف احادیث سے دلائل قبول نہیں کئے جاتے ہیں۔ اب یہ امر محال ہے کہ قرآن مجید سے

کوئی آیت ایسی نشان کروائی جائے جس سے انبیاءؑ کی تخصیص معاملہ وراثت میں مرقوم ہو لیکن اس کے برعکس آیاتِ میراث عام ہیں کسی جگہ تخصیص وراثت الانبیاءؑ نہیں بلکہ انبیاءؑ و مرسلین ایک دوسرے کے وارث چلے آئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو نبوت و حکمت اور مال و متاع و ملک ملتا رہا ہے۔ اس کی مثالیں آئندہ آرہی ہیں۔ ابھی صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ آیت یوصیکم اللہ میں تو آپ نے "کم" کی ضمیر کے لئے کہہ دیا کہ یہ امت کی طرف راجع ہے مگر اس آیت کے بارے میں کیا خیال شریف ہوگا جس نے آپ کی ساری کی کرائی محنت پر پانی پھیر دیا ہے کہ ارشاد قرآنی ہے " ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون " (پ۵ رکوع ۵ سورۃ نساء) یعنی ہم نے ہر ایک کے لئے وارث قرار دئیے اس ترکہ کے لئے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ مریں"۔ اس آیت نے تمام عذر بے جا بنا دئے کہ اللہ نے لفظ "کل" استعمال کرکے تخصیص کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ کیا "کل" میں انبیاءؑ کا شمار نہیں ہوگا؟ ذرا سوچ کر جواب دیجئے۔

اب جہاں تک آیت کی تخصیص کا تعلق ہے تو وہ بحث موضوع سخن سے ہٹ کر ہے کہ اولاد کافر کی وارث نہیں یا قاتل وارث نہیں وغیرہ۔ اس پر گفتگو کسی مناسب محل پر ہوگی اسی طرح روایات شیعہ میں بعض وارثوں کو بعض ترکہ سے جو منع کیا جانا درج ہے اس سے بھی یہاں مرفوع القلم مقتضی ہے کہ اس کتاب میں ہمیں صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ قول ابوبکر معارض قول خداوندی ہے اور وہ ہم نے اوپر نقل کردہ آیت سے ثابت کر دیا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ آیت میراث نے حدیث مذکور سے خصوصیت پائی ہے صریحاً خلاف قرآن ہے اور اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آیت زیر بحث کی تفسیر میں کسی مفسر نے ایسی تاویل بیان نہیں کی ہے۔ لہٰذا ایک مصدقہ آیت قرآنی کی موجودگی میں محض شاہ صاحب کی خود ساختہ تخصیص کیوں کر قبول کی جاتی ہے۔

البتہ ایک بات ضرور قابل ذکر ہے کہ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ سیرت نگاروں، مورخوں اور محدثوں کا اجماع ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں فدک وخیبر حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کے اختیار میں تھے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر شاہ صاحب ہی بتائیں گے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کا بیان کردہ قول "لانورث" اتنی جلدی کیسے بھول گیا۔ شاید دروغ گورا حافظہ نباشد کی مثال صادر آئی ہوگی۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فدک اولادِ فاطمہؑ کو لوٹا دیا۔ اور اقرار کیا کہ میرا (یعنی حاکم کا) اس میں کچھ حق نہیں میں اس کو پھیرتا ہوں۔ تو لوٹایا ہمیشہ اُسی شے کو جاتا ہے جو پہلے لے لی جائے۔ آپؒ کا فرمانا کہ "لوٹا دیا" یا "پھیرتا ہوں" ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ غصب فدک کے خلاف تھے۔ اس قبضہ کو ناحق تصور کرتے تھے اور یہ قیاس کہ پیغمبرؐ نے فاطمہؑ کو منع کیا فدک سے شاہ صاحب کا من گھڑت خیال ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے ایسا کسی طرح بھی ثابت نہیں ہے۔ اگر حضورؐ نے سیدہؑ کو منع فرما دیا ہوتا تو پھر آپ یہ مطالبہ ہی کیوں کرتیں۔ کیا بنت رسولؐ ایسی ہی حریص و بددیانت تھیں کہ امتناع والد کے باوجود ممنوعہ مال کے حصول کی کوشش کی۔ پس نہ ہی آئمہ معصومینؑ کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کا میراث نہ تھا اور نہ ہی آیت میراث میں استثنٰی انبیاءؑ کی کوئی گنجائش رہتی ہے۔ کیونکہ اس مطلب کی دیگر آیات بھی قرآن میں موجود ہیں اور کسی کی تفسیر میں نام نہاد تخصیص کا بیان وارد نہیں ہوا ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب آیت ورث سلیمان داؤد کے بارے میں خامہ فرسائی کرتے ہیں اور ان کے بیان کی تلخیص یہ ہے کہ حضرت داؤدؑ کے انیس[19] لڑکے تھے لیکن وارث سلیمانؑ ہوئے لہٰذا یہ وراثت علم و نبوت کی ہے نہ کہ مال و دولت کی۔

ہم اس کا جواب اس طرح سے دیتے ہیں کہ گذشتہ شریعت میں چہیتے بیٹے کا حق زیادہ مرقوم ہوا ہے۔ جیسا کہ توریت میں لکھا ہوا ہے۔ لیکن دیگر اولاد کو محروم کر دینا کسی

جگہ بیان نہیں ہوا ہے۔ اب چونکہ حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے بعد علم و نبوت کے بھی وارث ہوئے اور تاج و تخت بھی اُن کے حوالہ کیا گیا ہے لہٰذا اُن کا تذکرہ قرآن میں کیا ہے لیکن قصص الانبیاء کی کتب میں مرقوم ہے کہ حضرت داؤد کے دیگر بیٹوں کو بھی اُن کے والد کے ترکہ سے حصہ ملا۔ جیسا کہ تفسیر حسینی میں صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے کہ حضرت داؤد نے چھ ہزار زرہیں چھوڑیں جو تقسیم کی گئیں۔ اسی طرح حضرت سلیمان کو نبوت اور ملک، علم، منطق الطیر اور ہر طرح کا سامان دیا گیا۔ مفسرین کا اتفاق ہے کہ حضرت سلیمان کو ایک ہزار گھوڑا وراثت میں ملا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے۔ معالم التنزیل علامہ بغوی صفحہ ۵۶۵ تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۰۳۔ تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۳۷۷۔ بیضاوی۔ مدارک۔ نیشاپوری جلد ۲ صفحہ ۹۲۳، ابوالتاج صفحہ ۲۵۔ ثعلبی صفحہ ۴۸۸۔ تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۵۵۷۔

توریت میں مرقوم ہے کہ "اور اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے یوسف کو کہا کہ دیکھ میں مرتا ہوں۔ لیکن خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور تم کو تمہارے باپ دادا کی زمین پر پھر لے جائے گا۔ اور اس کے سوا میں نے تجھے تیرے بھائیوں کی نسبت ایک حصہ جو میں نے اموریوں کے ہاتھ سے اپنی تلوار اور کمان سے نکالا زیادہ دیا۔"

(توریت۔ کتاب پیدائش۔ باب ۴۸ آیات ۲۱ اور ۲۲ صفحہ ۹۹)

پس معلوم ہوا کہ پرانی شریعت میں بھائیوں میں کسی منظور نظر بیٹے کو دیگر بیٹوں سے زیادہ حصہ دینا روا تھا مگر وراثت بٹتی تھی۔ اسی طرح حضرت سلیمانؑ کو حصہ زیادہ ملا لیکن اُن کے بھائیوں کو محروم نہ رکھا گیا۔ البتہ علم و حکمت و نبوت کے وارث حضرت سلیمانؑ ہی ہوئے۔

شاہ صاحب اس کے بعد مناجات زکریاؑ کا ذکر کرتے ہیں اور اس پر مفصل گفتگو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ اب یہاں ایک بات کا سپرد قلم کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ حدیث

ابوبکر یہ ہے کہ نبی نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی ان کا وارث ہوتا ہے مال میں۔ لیکن یہ بات بھی خلاف واقعہ ہے۔

رسالتمآب خود وارث ہوئے

کتب اہل سنت سے اچھی طرح ثابت ہے کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میراث جدی حاصل کی ہے۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں وہ ایسی حدیث بیان فرمائیں جس کے خلاف اُن کا اپنا عمل سرزد ہو۔

علامہ علی بن برہان الدین حلبی اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ "حضرت عبداللہ (والد رسول خدا) نے پانچ اونٹ اور ایک ریوڑ بکریوں کا چھوڑا جس کے وارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئے اور جناب اُم ایمن کنیز بھی ترکہ میں ملی"۔

(سیرت الحلبیہ جلد اوّل صفحہ ۵۶)

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ "حضورؐ کو اپنے والد بزرگوار حضرت عبداللہ کے ورثہ سے ایک تلوار ملی جس کا نام ماثور تھا"۔

(سیرت الحلبیہ جلد سوم صفحہ ۳۵۵)

پس ثابت ہوا کہ انبیاءؑ و مرسلین خود وارث بھی ہوتے رہے اور اپنے وارث بھی چھوڑتے رہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم مولوی شبلی نعمانی کا اس بارہ میں اعتراف لکھ چکے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کے طعن سیزدھم کا جواب اور ہمارا تبصرہ

شاہ صاحب نے تیرھویں طعن کے جواب میں لکھا ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں ہرگز موجود نہیں ہے کہ حضرت زہرا نے دعوٰی ہبہ کیا۔ اور حضرت علی اور اُم ایمن نے گواہی دی مع حسنین کے اس میں بھی اختلاف روایتوں کا ہے یہ سب مفتریات شیعہ سے ہے

ہم ہبہ کے اثبات گذشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں اور جو کوئی مفصل عبارات اس ہبہ فدک کی ملاحظہ کرنا چاہے اسے رائے دیتے ہیں کہ ہماری کتاب لاجواب "تشئید المطاعن" جلد اوّل ضرور دیکھ لے کہ اس کتاب کا جواب علماء اہلِ سنت سے تاقیامت نہ بن سکے گا یہ تحفہ اثنا عشریہ کے باب مطاعن کا جواب باصواب ہے۔ تاہم ضرورت کے مطابق حسبِ ذیل حوالہ جات اس جگہ نقل ہیں۔

(۱) معارج النبوت رکن چہارم جلد ۲ صفحہ ۲۲۱ اور صفحہ ۳۱۱ (۲) روضۃ الصفاء جلد ۲ صفحہ ۱۳۵ (۳) شرح مواقف صفحہ ۷۳۵ (۴) تاریخ حبیب السیر جلد اوّل جزء سوم صفحہ ۸۵ (۵) تاریخ اسلام علامہ عباسی صفحہ ۱۲۶۔ اس کے علاوہ دیکھیں (۶) ملل و نحل (۷) صواعق محرقہ (۸) معجم البلدان (۹) تفسیر کبیر (۱۰) ریاض النضرہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام کتب اہلِ سنۃ کی ہیں مطالعہ کر کے شاہ صاحب کے جھوٹ کا پول کھول لیجئے۔ ہبہ کے اثبات کی بہتات دستیاب ہوگی۔

اس کے بعد مغیرہ کی روایت ابوداؤد سے بحوالہ مشکوٰۃ نقل کر کے اس میں عمر بن عبدالعزیزؒ کی واپسی فدک کا قصہ دہراتے ہیں جس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں۔ پھر مغیرہ کی روایت کا ہمارے ہاں کیا اقتدار ہے اس سے صاحبانِ علم واقف ہی ہونگے۔

جواب دوم میں شاہ صاحب نے کہا بالفرض قول شیعہ قبول کر لیا جائے تو بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابوبکر نے فاطمہ کے دعویٰ ہبہ کی تکذیب کی بلکہ تصدیق کی اور مسئلہ فدک بیان کیا۔ گواہی رد نہیں کی بلکہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی پر حکم نہ کیا اور ابوبکر شرع سے مجبور تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ شرع کی مجبوری ہرگز نہ تھی کیونکہ خود حضرت ابوبکر نے دیگر معاملات میں اس نصاب کا لحاظ نہیں رکھا جیسا مروی ہے کہ "جعفر بن محمد اپنے باپ سے جناب علی تک سنداً بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول خدا، ابوبکر، عمر و عثمان ایک شہادت اور

میں خیبر و فدک حضرات علی و عباس کے اختیار میں تھے۔ پس بخاری سے منقول روایت سے اور شاہ عبدالعزیز کی عبارت سے جب قبضہ ثابت ہوگیا تو اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔

بہرحال ہمارے خیال ذاتی کے مطابق جائیداد فدک حکمرانوں کا کھلونا ہی رہی اور اہل بیت رسولؐ کو کبھی اس پر مکمل تصرف حاصل نہ رہا۔ ہم نے اپنی کتاب "صرف ایک راستہ" میں باب معاشیات میں اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امیرالمومنین نے جائیداد فدک دورِ حکومت میں طاقت حکومت کے زور سے حاصل نہ کی کیونکہ اب یہ جائیداد متنازعہ بن چکی تھی اور حضرت عثمان نے یہ جاگیر مروان کو بخش دی تھی۔ لہٰذا اگر جناب امیر علیہ السلام اس کو طاقت کے زور سے حاصل کرکے اولادِ فاطمہؑ میں تقسیم کر دیتے تو یہ بات غیر آئینی ہوتی۔ حضرت اصول کے پابند حاکم تھے۔ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی انہوں نے ایک معمولی زرہ کی بازیابی کے لئے قاضی کے پاس مقدمہ داخل کیا تھا تو پھر اس جائیداد کو مروجہ حکومتی انصاف و عدل کے تقاضوں کی تکمیل کے بغیر کس طرح حاصل کر سکتے تھے۔ آپ کا دورِ حکومت داخلی انتشار سے بھرپور رہا اور ملکی مصروفیات نے اتنی قلت وقت پیدا کر دی کہ آپ اپنا یہ ذاتی معاملہ حدود آئین میں طے نہ فرما سکے۔ اگر حضرت علیؑ درپیش حالات میں فدک واپس لینے کی کوشش کرتے تو زبردست فساد برپا ہو جاتا۔ ایک طرف بغاوتوں اور اندرونی کشمکش نے حالات کو پیچیدہ کر رکھا تھا تو دوسری طرف یہ نیا شوشہ مضرت رساں ثابت ہوتا۔ لہٰذا حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے ذاتی مسائل پر قومی مسائل کو فوقیت دی اور ملی امور کی طرف یکسوئی سے توجہ فرمائی۔ اگر آپ کے دور میں امن و قرار کے چند ماہ میسر ہوتے تو ضرور بالضرور یہ معاملہ قانون اسلامیہ کے مطابق عدالت میں طے کرایا جاتا اور آپ فدک کی جائیداد مستحقین و وارثین میں بانٹ دیتے۔ بلاتحقیقات محض اثر حکومت سے اگر حضرت علیؑ فدک مقبوضین سے چھین لیتے تو یہ امر حق تو ضرور ہوتا کہ امام کا مالِ منصوبہ پر پورا اختیار جائز ہے لیکن ۲۳ سال کا صبر غیر مفید رہ جاتا اور یار لوگ فوراً

اس بات کو نشانہ اعتراض بنا دیتے کہ مال و دولت کا حریص تھا حقیقی حقدار تو نہیں تھا. پس تاج و تخت کے زور پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ ایسی صورت میں مدعی اور مدعا علیہ کے کرداروں میں کوئی فرق نہ رہ جاتا۔

حقوق زہرؑا اور کتاب طاہرا

اب ہم اس کتاب کو اختتام تک لاتے ہیں اور تتمہ سے پہلے قرآن مجید کی روشنی میں صدیقۃ العالمین، سیدۃ النساء، بضعۃ الرسولؐ عذرا بتول خاتون جنت فاطمہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی نشاندہی کرتے ہیں اور امت مسلمہ کو دعوتِ غور دیتے ہیں کہ ایمان و انصاف سے فیصلہ کریں کہ اتنی آیاتِ قرآنیہ کی تردید صرف ایک لاوارث حدیث سے کرنا کس اسلامی اصول کے مطابق ہے۔

اسلام میں جائیداد و مال و متاع و املاک عموماً چار قسم سے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) وراثت جدی (۲) ملکیت زر خرید (۳) مالِ غنیمت (۴) مال فے

اللہ کے احکامات و قوانین و فطرت و عقل کے مطابق سیدہ معصومہ خاتون قیامت صلواۃ اللہ علیہا کو اس قسم کی سب جائیداد منقولہ و غیر منقولہ سے ہر طرح سے اپنے والد گرامی قدر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورثہ میں حق حاصل تھا اور ہر طرح سے حصہ بنتا تھا کوئی قانون کوئی حکم کتاب خدا میں ظاہر نہیں جس سے سیدہ مظلومہ کو محروم رکھا جا سکے۔

(۱) للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا (سورۃ نساء پ۴ رکوع ۱)

یعنی جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ مریں یعنی مال و اسباب اس میں مردوں کا حصہ ہے اسی طرح عورتوں کا بھی اس میں جو والدین و ناطہ دار چھوڑ مریں۔ کم یا زیادہ۔

(۲) یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف (سورۂ نسا رکوع ۲ پ ۴)

یعنی اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملیگا۔ اگر دو سے زیادہ عورتیں (بیٹیاں) ہوں (اور بیٹا نہ ہو تو بھی ترکہ دو تہائی ۲/۳ اُن کو ملیں گی اور اگر ایک بیٹی ہو تو آدھا ترکہ اس کو ملے گا۔

(۳) ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون (پارہ ۵ سورۃ نساء ع ۵)

اور ہم نے ہر ایک کے وارث ٹھہرائے مال ترکہ کے جو والدین اور اقرباء چھوڑ مریں۔

(۴) واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ ان اللہ بکل شئ علیم (سورۂ انفال پ ۱۰ ع ۱۰)

یعنی اور رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور اللہ کی کتاب کے راہ سے زیادہ حقدار ہیں بے شک اللہ ہر شئے جانتا ہے۔

(۵) واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المؤمنین والمھاجرین الا ان تفعلوا الی اولیاءکم معروفا۔ کان ذالک فی الکتاب مسطوراً۔ (پارہ ۲۱ سورہ احزاب ع ۱)

کہ ناطے رشتے والے اللہ کی کتاب کی رُو سے مومنین و مہاجرین سے زیادہ حق رکھتے ہیں (ترکہ پانے کا) ہاں یہ اور بات ہے کہ تم اپنے دوستوں سے کوئی سلوک کرو یہی حکم اللہ کی کتاب مسطور میں ہے۔

یہ آیاتِ میراث عام ہیں اور قرآن مجید میں کسی بھی جگہ تخصیص وراثت الانبیاء

والمرسلین علیہم السلام موجود نہیں ہے بلکہ نبی ایک دوسرے کے وارث ہوتے آئے ہیں۔ اور خدا کی طرف سے اُن کو علم و حکمت و نبوّت کے ساتھ مال و متاع و ملک ملتا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) کٓھٰیٰعٓصٓ ٥ ذکر رحمت ربک عبدہ زکریا اذ نادی ربہ نداءً خفیاً ٥ قال رب انی وھن العظم منی واشتعل الراس شیباً ولم اکن بدعائک رب شقیاً ٥ وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقراً فھب لی من لدنک ولیاً ٥ یرثنی ویرث من اٰل یعقوب واجعلہ رب رضیاً ٥

(پارہ ۱۶ سورۂ مریم رکوع اوّل)

یعنی کٓھٰیٰعٓصٓ (اے رسولؐ) ذکر کرو اس مہربانی کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریاؑ پر کی جب اس نے اپنے رب کو دبی آواز میں پکارا اور کہا مالک میری ہڈیاں بودی ہو گئیں اور بڑھاپے کی سفیدی سے سر بھڑکنے لگا اور میں تجھ کو پکار کر کبھی محروم نہیں رہا اور مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو اپنے کرم سے مجھے ایک فرزند عطا کر جو میرا وارث اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو۔ اور اس کو اے مالک پسندیدہ بنا۔ (یعنی اس کو مقبول و ہر دلعزیز خاص و عام کر)

نوٹ:- ان آیات میں خصوصاً وراثتِ مالی کی حفاظت کے لئے دعا ہے کہ بیٹا جانشین ہو کر اپنا مال و متاع سنبھال لے۔ ورنہ علم و حکمت و نبوّت کے بارے میں حضرت زکریاؑ کو کیا اندیشہ ہو سکتا تھا کیونکہ یہ تو عطیہ خاص منجانب پروردگار ہوتے ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے وہبی طور پر عطا کر دیتا ہے۔ کیا کبھی کسی نبی کو نبوت کے چھن جانے کا بھی خوف ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں یہ ڈر جو جناب زکریاؑ کو تھا مالِ دنیوی سے تھا کہ ان کے رشتہ دار اس پر قابض نہ ہو جائیں۔ علم نبوت تو ورثہ سے ملنا ضروری نہیں ہے۔ کہ یہ وہبی عطیہ ہے نہ کہ کسبی کمال۔ لیکن یہاں ایک بہت لطیف نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ جو حدیث

لانورث کے لئے صواعق محرقہ ثابت ہوتا ہے کہ جب نبیوں کی وراثت جاری نہیں ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ سارا ترکہ صدقہ ہو کر امت کا حق ہو جاتا ہے تو پھر حضرت زکریاؑ کو اس کا کیا خوف تھا۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ وارث پیدا ہو یا نہ ہو بہر حال میرا ترکہ تو اُمت ہی کا ہے۔ حقدار سے ڈرنے کا کیا جواز ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث لانورث قطعاً غلط ہے۔

(ب) وزکریا اذ نادیٰ ربہ رب لا تذرنی فرداً وانت خیر الوارثین۔
(پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء ع ۶)

اور زکریاؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھے بے اولاد نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔

(ج) وورث سلیمان داؤد (سورۃ النمل پ ۱۹ ع ۲)
اور حضرت سلیمانؑ وارث ہوئے حضرت داؤدؑ کے۔

دنیا جانتی ہے کہ مسلمانوں کی سیاست و حکومت کی باگ ڈور اہل سنۃ کے مسلک والوں کے ہاتھوں میں رہی ہے چنانچہ مولوی شبلی نعمانی کا قول ہے کہ تمام مورخین اسلام سنی المذہب ہوئے ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں جب حضرت ابوبکر نے فیصلہ صادر کر دیا کہ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ فدک کی بابت جھوٹا تھا تو ان سنی المذہب مورخین کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ لکھ دیتے کہ حضرت فاطمہؑ کو آنحضرتؐ نے فدک عطا کیا تھا لیکن حق کی یہ قدرتی صفت ہے کہ وہ کسی نہ کسی ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔ نگاہِ حق اور مزاج منصف درکار ہے ورنہ حق ہرگز معدوم نہیں ہمیشہ موجود ہے۔ چنانچہ آیت مجیدہ۔

"وآت ذالقربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا ۰"
(سورۂ بنی اسرائیل ع ۱)

اور اپنے قرابتداروں اور محتاج پردیسی کو ان کا حق دے دو اور فضول خرچی

مت کرو۔

"البزار، ابوالعلیٰ، ابنِ ابی حاتم اور مردویہ نے اپنے طریقہ سے حضرت ابوسعید خُدری سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (وآت ذوالقربیٰ حقہ) تو جناب رسولؐ خدا نے فاطمہؑ کو بلایا اور فدک ان کو ہبہ کر دیا۔ اور ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وآت ذالقربےٰ حقہ، تو حضورؐ نے فدک جناب فاطمہؑ کو عطا کر دیا۔"

(تفسیر درمنثور علامہ حافظ جلال الدین سیوطی ج ۴ ص ۱۷۷)

لوٹ: علامہ سیوطی نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کی تردید نہیں کی۔ اس آیت کی تفسیر میں امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے اس میں اول خطاب رسولؐ معقول سے ہے۔ ملاحظہ کریں تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۵۳۔ اب غور فرما کر جواب دیا جائے کہ جب رسولؐ کا کوئی وارث ہی نہیں ہوتا ہے اور اس کے اہل و عیال کو امّت کے ٹکڑوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تو پھر یہ تاکیدِ قرآنی کیا معنی رکھتی ہے۔

محسن الملک محمد مہدی علی خاں صاحب کی آیات بینات میں عجیب تاویلے

وکلائے جماعت حکومت کو مقدمہ فدک نے اکھڑ ادیا ہے۔ جب کوئی بات نہیں بنتی تو وہ خودساختہ و غریب تاویلیں پیش کرنے لگتے ہیں پہلے کہتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں جب روایات پیش کردی جاتی ہیں تو کبھی کتابوں کا انکار کرتے ہیں اور کبھی رواۃ میں اشتباہ و شکوک کی راہ وضع کرتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک کوشش محسن الملک نواب مہدی علی خاں صاحب نے اپنی کتاب "آیات بینات" میں مندرجہ ذیل عجیب تاویل سے کی ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ:

"یہ ہے کل مایۂ ناز علماء امامیہ کا اور یہ ہے مجموعہ ان تمام روایتوں کا جس کو وہ بہت زور و شور سے سنیوں کے مقابلے میں ہبہ فدک کے ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اور چونکہ یہ روایات مختلف طور سے اور مختلف موقع پر بحث فدک میں بیان کی جاتی ہیں بیچارے ناواقف سنی انہیں دیکھ کر گھبرانے لگتے ہیں۔ اور یہ سمجھ کر کہ یہ روایتیں تو ہماری ہی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں اور غالباً صحیح ہوں گی حیران رہ جاتے ہیں۔ اور اکثر لوگوں کو خلجان اور اپنے عقائد میں شبہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ مگر اب کہ ہم نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اس سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو سکے گا کہ سلسلہ ان تمام روایتوں کا ابوسعید پر ختم ہوتا ہے۔ اور ابوسعید سے عطیہ نے۔ اور عطیہ سے فضیل بن مرزوق نے آگے چلایا ہے۔ اور انہیں سے اس روایت کا سلسلہ آگے بڑھا ہے غرضکہ جو کچھ پھل پھول اس میں لگائے گئے ہیں اس کی جڑ ابوسعید ہے۔ مگر ابوسعید کے نام میں ایک عجیب دھوکا دیا گیا ہے۔ جس سے ناظرین کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ ابوسعید، ابوسعید خُدری ہیں جو صحابی تھے۔ حالانکہ یہ ابوسعید، ابوسعید خدری نہیں ہیں بلکہ یہ وہ ابوسعید ہیں جو کلبی کے خطاب سے مشہور اور صاحب تفسیر ہیں۔ اُن کے بہت سے نام اور مختلف کنیتیں ہیں۔ اسی سبب سے لوگوں کو اکثر ان کے نام میں دھوکا ہو جاتا ہے کبھی اُن کا نام محمد بن سائب کلبی سے لیا جاتا ہے اور کبھی حماد بن سائب کلبی کہہ کر پکارے جاتے ہیں۔ اور ان کی تین کنیتیں ہیں۔ ایک ابونصر اور دوسری ابوہشام اور تیسری ابوسعید اور انہیں سے عطیہ اوفی روایت کرتے ہیں اور چونکہ عطیہ اوفی شیعہ تھے وہ اسی قسم کی حدیثوں کو اپنے شیخ ابوسعید کلبی سے اس طور پر روایت کرتے ہیں کہ جس سے دھوکا ہو کہ یہ ابوسعید خدری صحابی سے روایت ہے کیونکہ وہ حدثنا یا قال ابوسعید کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں۔ کلبی یا اور مشہور نام ان کا نہیں لیتے تاکہ لوگوں کو شبہ ہو کہ یہ روایت جس سے یہ روایت کرتے ہیں وہ ابوسعید خدری صحابی ہیں۔ چنانچہ یہ مغالطہ ظاہر ہو گیا اور ان کی ہوشیاری کھل گئی۔

(آیات بینات ص ۲۱۵،۲۱۴ حصہ چہارم)

نواب صاحب کی اس ساری بحث کا خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ روایتیں ابوسعید کلبی کی ہیں ابوسعید خدری صحابی رسولؐ سے مروی نہیں۔ اور انہوں نے اقرار واعتراف کیا ہے کہ اس قسم کی روایتیں صرف "ابوسعید" کہہ کر خاموش ہو جاتی ہیں۔ لیکن افسوس ہے علماء متقدمین نے روایت میں صرف "ابوسعید" کی سند پیش نہیں کی ہے بلکہ پورا نام "ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ" لکھا ہے اب ایسی صورت میں محسن الملک صاحب کی عزیب تاویل خود بخود باطل قرار پا جاتی ہے۔ علامہ سیوطی کی عربی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

"واخرج البزار وابو یعلیٰ وابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال"

اب منقولہ عبارت نواب صاحب کی طویل بحث کا جامع ومختصر اور مسکت جواب ہے کہ روایت میں راوی کے نام کی تحریر میں کسی قسم کا کوئی شبہ و دھوکا ہرگز نہیں ہے بلکہ البزار، ابو یعلیٰ، ابن ابی حاتم اور ابو بکر ابن مردویہ جیسے مفسرین نے بعد از تحقیق اس کا اثبات فرمایا اور حضرت ابوسعید صحابی رسولؐ سے نقل کیا ہے۔

پھر نواب صاحب کا یہ دعویٰ بھی مبنی بر کذب ہے کہ ایسی روایات صرف ابوسعید سے مروی ہیں اس لئے کہ ابو بکر ابن مردویہ نے اس روایت کو حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی روایت کیا ہے۔

پس نواب صاحب نے اکھڑے ہوئے سنی پیروں کو جھوٹی تسلی دیتے ہوئے یہ عمداً دروغ گوئی کی ہے کہ یہ روایت ابوسعید خدری سے مروی نہیں۔ نواب صاحب اور ان کے ممدوحین پر واضح ہونا چاہئے کہ اس طرح کی جھوٹی وکالت اہل سنت حضرات کی گھبراہٹ، خلجان اور اپنے عقائد سے ڈگمگاہٹ میں اضافہ تو کر سکتی ہے مداوا یا تدارک نہیں۔ حقیقت بہر حال حقیقت ہوتی ہے۔ لہٰذا نواب صاحب کی ہوشیاری اور رخنہ اندازی ہمارے لئے

مضرت رساں نہیں ہو سکتی کہ بہر حال وہ ہمارے ہی سکھائے ہوئے ہیں اور ہماری ہم کو میاؤں نہیں کر سکتی ہے۔

الغرض ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کا مقدمہ فدک میں صادر کردہ فیصلہ نہ ہی اخلاقی لحاظ سے درست تھا۔ اور نہ ہی قانونی مراتب سے۔ یہ فیصلہ فطرت کے فیصلہ کے بھی خلاف ہوا اور عقل و دانش کی کسوٹی پر بھی پورا نہیں اترتا۔ اس فیصلہ کو نہ ہی کتاب خدا سے کوئی تائید حاصل ہے اور نہ ہی سنت رسولؐ سے توثیق میسر آتی ہے۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس کے خلاف خود منصف نے عمل کیا۔ اس فیصلہ کو اکابر صحابہ نے عملاً مسترد کر دیا۔

اس فیصلہ سے اہل بیتؑ کو اذیت پہنچی۔ عم رسولؐ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کو ایک کاذب، آثم، غادر اور خائن منصف کا فیصلہ قرار دیا۔ داماد رسولؐ حضرت علی علیہ السلام نے اسے ہرگز قبول نہ کیا اور وارث چادر تطہیر، فخر عصمت، ناز شرافت، معدن رسالت، کان نبوت، شفیعہ محشر، ملکہ کائنات، سیدۃ النساء العالمین، صدیقۃ الکبریٰ، معصومہ و مخذومہ و محرومہ میراث، دختر رسولؐ مقبول، حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ و صلوٰۃ اللہ علیہا اس غلط فیصلے پر اس قدر ناراض اور غضب ناک ہو گئیں کہ تا دم وفات مدعا علیہ سے کلام نہ فرمائی۔ حتیٰ کہ آخری وصیت فرما گئیں۔ کہ وہ لوگ جنہوں نے میرے حقوق غصب کئے اور مجھے غضبناک کیا میرے جنازے پر نہ آ پائیں۔ پس ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ غضب سیدہؑ سے کہ آپؑ کا غضب ناک ہونا رسولؐ خدا کا غضب ناک ہونا ہے اور جس پر رسولؐ اللہ غضب ناک ہوں اس پر اللہ غضب ناک ہو جاتا ہے اور وہ شخص مغضوب علیہم میں داخل ہو جاتا ہے۔ جن کی راہ سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ دور رکھے۔ (آمین)

والسلام : عبدالکریم مشتاق